دانا انسان کی حکمت یہ ہے کہ اپنی راہ پہچانے

(امثال ۱۴-۸)

# مراۃ الانسان

یہ کتاب انسانی کیفیت وغیرہ کے بارہ میں پادری مولوی عماد الدین

لاہز ڈی۔ڈی نے اس مراد سے لکھی کہ ایسے پڑھنے والے

خودشناسی میں ماہر ہو کے خداشناسی کی دولت

تک رسائی حاصل کریں اور

سنہ ۱۸۸۹ء میں

مطبع ریاض ہند امرتسر میں چھپی

# فہرست مضامین مرأۃ الانسان

# صحت نامہ مرآۃ الانسان

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|
| ۱۱ | ۱۳ | الثلیث | التثلیث |
| ۲۳ | ۱۱ | ے | کرکے |
| ″ | ۲۰ | ہم لیا | ہم کیا |
| ۳۷ | ۱۷ | والدو | والدہ |
| ۳۹ | ۸ | شانہ | شامہ |
| ۴۷ | ۱۱ | غرضوں | عرضوں |
| ۵۶ | ۱۲ | بدی | بدن |
| ۶۳ | ۴ | کرتا | کرنا |
| ۷۰ | ۳ | آبند | آنند |
| ۷۴ | ۱۵ | الجزہے | الجزے |
| ″ | ۱۱ | دفعہ ۳۱ | دفعہ ۳۲ - تا آخر |
| ۸۰ | ۱۸ | وحد | وجاد |

# دیباچہ

حق تعالےٰ جل شانہٗ کی حمد و ثنا کے بعد بندہ عمادالدین لاہز ناظرین کتاب ہذا کی خدمت میں یوں عرض کرتا ہے کہ ابتک مجھے کوئی ایسا رسالہ نظر نہ آیا جسمیں انسان کا ضروری بیان کچھ تو ہو جسکے وسیلہ سے عوام الناس اپنی روح کی کیفیت سے اور اپنی اندرونی حالت سے کسیقدر آگاہی حاصل کریں۔ یہہ میں جانتا ہوں کہ میں اس لایق نہیں ہوں کہ یہہ بھاری کام کر سکوں اور اس بحث کے تمام پہلو جیسا چاہیے ویسے دکھلاؤں تو بھی میں نے ارادہ کیا کہ خدا سے دعا مانگ کے جو کچھ لکھ سکتا ہوں لکھوں اور دوسرے ذی علم لایق آدمیوں کو جو مجھ سے بہتر کام کر سکتے ہیں اُبھاروں کہ وہ اس مہم کیطرف متوجہ ہوں اور یہہ میرا رسالہ خودشناسی کے بارہ میں ایک ابتدائی کتاب ہو جائے۔ پس میں نے یہہ رسالہ لکھدیا اور اسکا نام مراۃ الانسان رکھا۔

مراۃ کے معنے ہیں شیشہ۔ وہ سب شیشے جو لوگوں کے گھروں میں ہیں اُنمیں وہ اپنی ظاہری صورت کو دیکھ کے درست کیا کرتے ہیں تاکہ وہ اچھے معلوم ہوں۔ یہہ کتابی شیشہ ہے چاہئے کہ وہ اسمیں اپنی اندرونی اور پوشیدہ کیفیت و حالت کو فکر کی آنکھ سے دیکھیں اور اپنی اصلاح کے درپے ہوں تاکہ خدا کو پسند آئیں جسکی نگاہ انسان کے دل پر ہے۔

# دفعہ ۱ خودشناسی کے بیان میں

عربی زبان میں ایک قدیمی کہاوت ہے اور اہل تصوف اسکا استعمال بہت کرتے ہیں اور وہ صحیح کہاوت ہے جو یہہ ہے (من عرف نفسہ فقد عرف ربہ) یعنے جس نے اپنے آپکو پہچانا اُسنے اپنے رب کو پہچانا۔ رب کے معنے ہیں پرورش کنندہ۔ ربیب کے معنے ہیں پرورش یافتہ ہم سب ربیب ہیں ہمارا کوئی رب ہے اُسی کا دوسرا نام خداتعالے ہے اور ربوبیت وہ کام ہے جو رب اور ربیب کے درمیان رب سے ہوتا ہے۔

اگر آدمی آپکو پہچانیں کہ ہم کون ہیں اور کس حال میں ہیں تو اس شناخت کے وسیلے سے خدا کی شناخت کہ وہ کون ہے اور کیسا ہے آسان ہوجاتی ہے رب کی شناخت سے مراد یہہ ہے کہ اسکی کچھ شان اور مرضی معلوم ہوجائے کہ وہ کیسا ہے اور کیا چاہتا ہے یہہ معلوم کرکے جب کوئی اُسکی مرضی کے تابع ہوتا ہے تب وہ شخص اپنی ٹھیک وضع کے منشا میں قایم ہوکے خدا کا مقبول اور مبارک بندہ ہوجاتا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ اس کہاوت کا مطلب بعض صوفیوں نے غلط سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اپنے نفس کا پہچاننا رب کا پہچاننا ہے یعنے تمہارا نفس ہی تمہارا رب ہے اور یوں وہ ہمہ اوست کا دم بھرتے ہیں۔ یہہ اُنکا خیال اسلئے غلط ہے کہ خودشناسی سے حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ خود فراموشی سے یہہ جہالت نکلتی ہے۔

رات دن کے تجربوں سے ہمیں معلوم ہے کہ جب کسی آدمی پر خدا کا فضل شروع ہوتا ہے پہلی بات جو وہاں نظر آتی ہے یہی ہے کہ وہ شخص آپکو پہچاننے لگا کہ میں

بڑا گنہگار سخت ناتوان نہایت محتاج ہوں نادان ہوں نکما ہوں۔ خودشناسی خدا شناسی کی پہلی منزل ہے جسقدر ہم معرفت ایزدی میں بڑھتے جاتے ہیں اُسیقدر ہم آپکو زیادہ پہچانتے جاتے ہیں آخرکار ہم بڑی عارف ہوکے یوں کہتے ہیں یقیناً ہم سب سے زیادہ خطاکار سب سے زیادہ نادان سب سے زیادہ ناتوان اور بالکل رحم کے محتاج ہیں اور خداتعالےٰ نہایت مہربان نہایت پاک بڑا دانا بڑا حکیم بڑی قدرت اور طاقت والا ہے اُسنے یسوع مسیح میں ہمارے لئے بڑا ہی رحم کا دروازہ کھولدیا اور ہم اُسمیں داخل ہوکے ضرور بچ گئے ہیں۔

کلام اللہ سے جو معرفت ہمیں حاصل ہوتی ہے اُسکا خلاصہ تو یہی ہے جو میں نے اوپر سُنایا لیکن یہہ بھید جسپر کھلتا ہے وہی اِسکا لطف اُٹھاتا ہے اور اپنے کو ایسا اور خدا کو ویسا دریافت کرکے اپنی روح کو بڑے چین کے مقام میں پاتا اور خدا میں خوشی مناتا ہے۔

اِس بیان سے میرا یہہ مطلب ہے کہ کتاب اللہ یعنے بیبل شریف جو ساری جہان کی ہدایت کے لئے خدا نے نبیوں سے لکھوائی ہے اُسمیں بھی یہی طریقہ برتا گیا ہے کہ لوگ بوسیلہ خودشناسی کے خداشناسی تک پہونچائے جاتے ہیں اور یہہ وہی بات ہے کہ جب تک کوئی آپکو بیمار نہ پہچانے طبیب کے پاس نہیں آتا۔ یہہ سب لوگ جو مذہبوں کی بابت جھگڑتے پھرتے ہیں بیفایدہ کام کرتے ہیں چاہئے کہ سب تکرار اور مباحثے چھوڑکے ذرا اپنی طرف متوجہ ہوں اور دریافت کریں کہ ہم کون ہیں اور کیسے ہیں تو انکے سامنے سے بہت سی مشکلات خودبخود حل ہوجائیں گی اور وہ اپنے اندرونی امراض سے آگاہ ہوکے علاج مناسب کے جویاں ہونگے اور اُسوقت اُنہیں معالج نظر آجائیگا اور وہ اُسکے پاس آکے صحت بھی پائیں گے۔

دنیا میں یہی حال ہورہا ہے کہ ہر تکراری اور بکواد جھگڑا لو آدمی جب اپنی

بکواس سے چپ کر کے اپنے گریبان میں سر ڈالتا ہے اور اپنی طرف دیکھتا ہے تب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف اندھیرا ہے صرف کلام اللہ میں روشنی ہے۔ بلکہ کلام اللہ کے کسی ایک ہی فقرہ کا جلال اسکی روح کو خدا کیطرف کھینچ لاتا ہے اور زندگی کے سوتے تک پہونچا دیتا ہے۔ کسکو۔ اُسکو۔ جو اپنی حالت پر متوجہ ہو کے اور آپکو بیمار دریافت کر کے صحت کا طالب ہوتا ہے۔

## دفعہ ۲ ماخذ خیالات کتاب ہذا کے بیان میں

اِس کتاب کے ماخذ خیالات کے بارہ میں چند مہینوں تک میں فکر مند رہا۔ اگرچہ میں یہہ جانتا تہا کہ بیبل شریف کے سوا دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے کہ انسانی کیفیت کا پورا پورا بیان اُسمیں ہو لیکن بعض آدمی بیبل شریف پر ایمان نہیں رکہتے اور اُسکی دلیلوں پر توجہ نہیں فرماتے وہ ہمیشہ دنیاوی حکیموں کے عقلی خیالات کی طرف تاکا کرتے ہیں پس انکے لئے مجھے ایسے خیالات کی تلاش اور تنقید میں کچھ عرصہ تک رہنا پڑا اور جہاں تک انکے ایسے خیالات میں نے پائے اور پرکھے ہیں میری کچھ سیری نہیں ہوئی اور بہت ہی تہوڑا سا ذخیرہ تنقید کے بعد میرے ہاتھ میں رکھیا اگر صرف اسی کو اس کتاب میں لکھتا تو یہہ کتاب **مراۃ الانسان** نہو سکتی تھی کیونکہ وہ بہت ہی تہوڑی باتیں ہیں۔

پس میرا وہ اعتقادی خیال اسوقت اور بھی زیادہ پختگی کو پہونچ گیا کہ انسان کی کیفیت اور اُسکی پوری حالت کا بیان صرف اُسکا خالق ہی کر سکتا ہے جو انسان سے واقف ہے یہہ کام ہی آدمیوں سے پورا نہیں ہو سکتا کہ عقلی اور علمی روشنی سے آدمی آپکو جیسا چاہیے پہچان نہیں سکتے۔ الہی آسمانی الہامی روشنی جب آدمیوں پر چمکتی ہے تب وہ آپ کو پہچانتے ہیں کہ ہم کیسے

ہیں پس میں حکمائی خیالات کیطرف سے بہت ہٹ گیا اور کلام کیطرف متوجہ ہوا کہ اُسکی ہدایت کے سامنے کسی حکیم کی رائے تسلی بخش چیز نہیں ہے۔

اور اسوقت میں ناظرین سے یہہ بھی کہتا ہوں کہ انسان کی کیفیت اور حالت کا بیان جو بیبل شریف میں ہے تین قسم پر منقسم ہے (۱) انسان کی ابتدائی حالت کا بیان ہے کہ وہ کیونکر اور کس مطلب سے پیدا کیا گیا۔

(۲) اُسکی انتہائی حالت کا بیان ہے کہ اُسکا انجام کیا کچھ ہوگا۔

(۳) اسکی حالت موجودہ کا بیان ہے کہ آدمی فی الحال کیسے ہیں اُنکی حالت کیسی بگڑی ہوئی ہے اور اُنکی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے۔

پس ان تین قسموں کے بیان میں سے پہلی اور دوسری قسم کا بیان حکماء سے کچھ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہہ غیب کی خبریں ہیں جو عقل سے نہیں کہل سکتیں۔ ہاں وہ کچھہ امکانی تجویزیں سنایا کرتے ہیں جنکا کچھہ ثبوت نہیں ہوا کرتا۔

البتہ تیسری قسم کا بیان دنیا کے لوگ کچھ کرسکتے ہیں اور کچھ کیا بھی ہے لیکن یہہ بھی پورا پورا بیان اُنسے نہیں ہوا جہاں تک اُنکی عقل دوڑی وہ کچھ بولے ہیں اور اس بیان کے دوسرے حصّہ میں کہ انسان کی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے بڑے اختلاف ان لوگوں میں ہیں اور یہہ سب مذہب جو دنیا میں جاری ہیں بسبب اُنکے اختلافوں کے جاری ہیں اور اصلاح کی راہ کچھہ نہ کچھہ دکھلاتے ہیں۔

لیکن اس مقام پر دو سوال کرنے لازم ہیں اوّل آنکہ بیماری کیا ہے اور تم اُسکا علاج کیا بتلاتے ہو اور اُس علاج کو کیا نسبت اس بیماری سے ہے۔ دوم آنکہ اُس علاج سے جو تم بتلاتے ہو کس کس نے صحت پائی ہے اُنکے نام بھی پیش کیجیے یہہ دونو سوال دنیا کے سب جھوٹھے مذہبوں کو گرا دیتے ہیں اور عیسائی دین کی عظمت دکھلاتے ہیں۔

دنیاوی مذاہب نہ انسان کی بیماری کا حال پورا پورا سناتے ہیں نہ اُسکا علاج مناسب دکھلاتے ہیں نہ صحت یافتوں کے نمونے پیش کرسکتے ہیں اُنکے اہل ناحق لڑتے پھرتے ہیں۔

کلام اللہ جو بیبل شریف ہے اسمیں انسان کی نسبت ماضی اور حال و استقبال کا پورا بیان لکھا ہوا ہے اور تسلی بخش ہے اور اصلاح کی راہ ایسی دکھلاتا ہے جو کیفیت بیان شدہ یا تشخیص شدہ کے مناسب ہے اور اُس سے ہزارہا ہزار آدمی صحت یافتہ ہیں اور ہمنے خود اِس راہ سے صحت پائی ہے۔ پس اب فرمائیے کہ یہہ کونسی عقل کا حکم ہے کہ ہم اس کلام اللہ کیطرف سے جو ایسا ہے چشم پوشی کر کے ان حکمار کے اُن چند بے سروپا خیالات ہی کیطرف لگا کریں اور اُنہیں کو اعلے درجہ کی دلیلیں سمجھیں انمیں کیا علویت گھس رہی ہے وہ تو وہم سے ہیں۔

ہاں یہہ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ اِن لوگوں نے درست طور سے کہا ہے۔ ہم بہ شکر اُسے قبول کرینگے اور تکمیل و ترقی کیلئے کلام اللہ کیطرف متوجہ ہونگے اور کلام میں انسان کی حالت موجودہ کا جو ذکر ہے اُسپر غور کرینگے کہ فی الواقع انسان ایسا ہی ہے یا نہیں اگر انسان ایسا نہیں ہے تو خیر جانے دو کلام کو نہ مانو۔ اور اگر وہ ایسا ہی ہے تو عیاں راچہ بیاں اپنی چشم دید اور تجربہ کی گواہی سے اِس بیان کو قبول کرلو اور اصلاح کی فکر کرو اور اگر اپنی اصلاح آپ کرسکتے ہو تو کرلو اور جو اُسی بدحالت میں مرنا منظور ہے تو اختیار باقی ہے اور اگر اصلاح چاہتے ہو اور خود نہیں کرسکتے تو اُس معالج کے پاس چلے آؤ جو بیبل میں ظاہر ہوا ہے اور اُسکی دوا ہی کھاؤ تب دیکھو گے کہ کیا ہوگا۔

## دفعہ ۳ ایمان کے بیان میں

انسان کی ابتدا اور انتہا کی بابت جو بیانات بیبل میں ہیں وہ سب ایمان سے

مانے جاتے ہیں آپ لوگوں میں ایمان ہے یا نہیں ۔

ایمان نام ہے اُس یقین کا جو اُن نادیدہ اور معتبر اشخاص سے شنیدہ باتوں کی نسبت ہوتا ہے جو خدا سے علاقہ رکھتی ہیں ۔ اسلئے کہ وہاں تک عقلی تحقیقات کو رسائی نہیں ہوتی ۔

ہم سمجھتے ہیں کہ سب آدمیوں کو ایمان کی ضرورت ہے اور صحیح ایمان جو لایق بھروسہ کے ہے وہ صرف بیبل شریف میں بیان ہوا ہے ۔ بعض آدمی ایمانی ضرورت کے تو قایل ہیں لیکن بیبل کے باہر کچھ اور طرح کے ایمان رکھتے ہیں جنکے وہ خوگر ہوگئے ہیں اُنہوں نے ایمانوں میں مقابلہ کرکے صحیح ایمان کی تلاش کبھی نہیں کی وہ لکیر کے فقیر ہیں اور تحقیقات کے نام سے جلتے ہیں اور اگر بمجبوری عقل کچھ تحقیق کرتے بھی ہیں تو اُس جانب کو جھکتے ہیں جسمیں اُنکی غرض قایم رہے وہ حق کے طالب نہیں ہیں کہ راستی کی طرف جھکیں ۔

بعض ایسے ہیں جو کچھ بھی ایمان نہیں رکھتے سب ایمانوں سے بیزار ہیں کیونکہ اُنہوں نے بعض ایمانوں کو جھوٹھا پایا ہے اسلئے سب جھوٹھے ایمانوں میں سچے ایمان کو بھی ملا کے کہا کہ سب ایمان غلط ہیں جو کچھ اُنکا دل چاہتا وہ کرتے ہیں ۔

ہمارا اعتقاد یہہ ہے کہ اگر انسان میں بیبل والا ایمان نہو اور کوئی ایمان ہو یا نہو وہ بے ایمان ہے اور اُسکی روح ہلاک ہو جاے گی ۔

اس رسالے کے ناظرین با ایمان قسم اول اور قسم دوم کا بیان بھی قسم سوم کے ساتھ ضرور مانتے ہیں ۔ لیکن وہ جو با ایمان نہیں ہیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ آپ لوگ قسم سوم کے بیان میں ضرور غور کیجئے اور سوچئے کہ آپ اُسی قسم کے آدمی ہیں یا نہیں ۔ اتنی خودشناسی بھی مفید ہوگی اور ایمان بھی اس سے پیدا ہو جائیگا

پھر آپ لوگ بہت کچھ خدا سے پا سکتے ہیں۔

تینوں قسم کے بیان اِس کتاب میں رلے ملے آتے ہیں ناظرین کو خود سمجھنا ہوگا کہ یہہ کس قسم کا بیان ہے۔

اور یہہ بھی یاد رہے کہ پہلی و دوسری قسم کا بیان اگرچہ ایمان سے ماناجاتا ہے اور تیسری قسم کا بیان معاینہ فکری سے۔ تو بھی ہماری حالت موجودہ کا سمجھ ابتدائی و انتہائی بیانات کے درمیان ہو کے ایک خاص نسبت و علاقہ ہم میں اور اُن دونوں بیانوں میں ظاہر کرتا ہے اگر سنجیدگی سے بغور کچھ دیکھہ سکتے ہو تو دیکھو اور یقین کرو کہ بیبل اپنے بیان میں برحق ہے۔

## دفعہ ۴ خدا تعالیٰ جلشانہُ کے بیان میں

جہاں تک موجودات خارجیہ کی کیفیت آدمیوں کو معلوم ہوئی ہے یہی دریافت ہوا ہے کہ ہر خارجی موجود قایم بالغیر ہے پھر وہ غیر بھی قایم بالغیر ہے اور ہو نہیں سکتا کہ یہہ تمام قایم بالغیروں کا سلسلہ بلا کسی علت قایم بالذات کے قایم اور موجود ہو سکے۔ علۃ العلل قایم بالذات کا ہونا عقلاً ضرور ہے اُسی کا نام اہل علم نے واجب الوجود رکھا ہے اور یہہ نام ایک ماہیت کی واجب ہستی کا ہے نہ کسی خاص شخص کا اُس ہستی کا ہمسر کوئی نہیں ہو سکتا اسلئے اُسکے ہمسر کا نام انہوں نے ممتنع الوجود رکھا ہے اور تمام جہان کی اشیا مخلوقہ کو انہوں نے ممکن الوجود کہا کہ اُنکی ہستی کا ہونا یا نہونا امر ضروری نہیں ہے بلکہ واجب الوجود صانع کی مرضی پر موقوف ہے اور ہر چیز ایسی ہی ہے۔

دنیا کے شروع سے سب قوموں میں یہہ خیال برابر چلا آتا ہے کہ ایک ہستی ہے جو از خود ازل سے ابد تک موجود ہے اُسی سے سب ہستیاں موجود ہوئی ہیں ہر

زبان میں اُس ہستی کے لئے دو چار لفظ نہایت عمدہ پائے جاتے ہیں جنہیں اُس زبان کے اہل نے اپنے محاورات میں بہ تکریم استعمال کیا ہے اور اپنی روحوں کے لئے اُنکے مفہوم کو جائے پناہ دکھلایا ہے مثلاً عبرانی میں لفظ الوہیم ہے بمعنے معبودان صیغہ جمع کا ہے اور اُس ماہیت واحدہ کی نسبت استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ یہوا بمعنے ہستی قایم بالذات اُسکا اسم اعظم ہے ایسا ہی لفظ خدا ہے اصل میں خود آ تھا کہ اسم فاعل ترکیبی ہے بمعنے خود آینده کہ از خود موجود است۔

اِس ہستی کا ثبوت ہمیشہ استدلال انیؔ سے ہوتا ہے جسمیں معلول سے علت کا سراغ لگاتے ہیں اور اسیطرح اسکی صفات کا ثبوت ہوتا ہے اور دلایل انیہ اِس مقصد پر جہان میں بکثرت موجود ہیں کیونکہ یہہ بیشمار معلولات اِس قسم کے دلایل پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اُن سب دلایل سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی ہستی قایم بالذات ضرور کہیں موجود ہے جسکا نظیر معدوم ہے اور جسمیں حکمت قدرت ارادہ ہے کیونکہ ہر معلول میں یہہ تین ۳ صفتیں مستعمل نظر آتی ہیں۔ لیکن اُس ہستی کا علم بالکنہ کسی انسان اور فرشتہ کے بھی ذہن میں نہیں سما سکتا۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم۔ وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

اگر اُسکی ذات و صفات کا علم بالکنہ کما ہو ہو کسی مخلوق کے ذہن میں سما سکتا تو وہ خدا نہوتا مخلوقات کے احاطہ فکری میں خالق کا علم محدود ہو جاتا وہ جو کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں سمجھا دو کہ خدا کیا ہے تب ہم ایمان لائینگے اُنکا مقصد یہہ ہے کہ پہلے ہم خدا کے ہمسر یا اُس سے بڑے ہو جائیں تب اسے مانیں گے سوچو کہ یہہ حماقت ہے کہ نہیں کہ وہ لوگ لا انتہا کو اپنے ذہن کی ننھی ڈبیا میں بند کرنا چاہتے ہیں کیا ایسا ہونا کبھی ممکن ہے۔

خدا نے آپ کو بذریعہ ہماری عقل کے اور بذریعہ کتب الہامیہ کے ہمارے ظروف کے

اندازہ پر ہمارے سامنے ظاہر کیا ہے اور جسقدر اُسکے فضل سے ہمارے دل اور خیالی ظرف فراخ ہوتے جاتے ہیں اسیقدر زیادہ ہم اسے پہچانتے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کہ کہاں تک ترقی ہماری ہوگی۔

بڑی بحث جو اہل دنیا خدا کی بابت ہمیشہ کرتے ہیں وہ وحدت اور تثلیث کے بارہ میں ہے جسکا مفصل بیان اِس مختصر رسالہ میں نہیں ہوسکتا انشاء اللہ آیندہ کسی کتاب میں ہوجائیگا اسوقت چند فقرے اجمالاً یہاں لکھنا کافی ہے۔

عقل سے جہاں تک خدا معلوم ہوسکتا ہے آدمی جانتے ہیں اور جان سکتے ہیں لیکن زیادہ ترقی اس بارہ میں عقل سے نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ خود نہ بتلائے کہ میں کیا ہوں۔ اور یہہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ یقیناً اُسنے دنیا میں پیغمبر بھیجے اور الہام دیا جو بیبل میں ہے پس ہم عقلی ہدایت سے کچھ زیادہ اس بارہ میں اسکی کلام سے سیکھتے ہیں اور زیادہ روشنی اور تسلی حاصل کرتے ہیں کیونکہ جو کچھ کلام سکھلاتا ہے وہ عقل کے خلاف نہیں ہے یا عقل کے مناسب ہے یا عقل سے بلند ہے۔ اور یہہ بات بھی خوب معلوم ہے کہ ضرور خداتعالے ہمارے فہم سے بلند و بالا ہے۔

خدا واحد ہے یہہ بات برحق ہے اور ہم ایمان سے کہتے ہیں لا الہ الا اللہ لیکن یہہ کہنا کہ خدا واحد ہے اسکا مطلب کیا ہے غور طلب بات ہے۔ خدا نام ہے ایک ماہیت کا جیسے انسانیت حیوانیت ملکیت وغیرہ ماہیتیں ہیں الوہیت بھی ایک ماہیت ہے اور سب ماہیتیں قایم بالغیر اور مرکب ہیں وہ ماہیت غیر مرکب اور قایم بالذات ہے ممتاز بے نظیر اور ازلی و ابدی سب ماہیتوں کی موجد اور سب کے اوپر حاکم ہے لیکن اسکی وحدت کیسی ہے عقل سے اسکا بیان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وحدت فردی اور نوعی اور جنسی کو وہاں دخل نہیں ورنہ خدائی کی شان نہیں رہتی ہے اور نہ وحدت وجودی ہے جو مغایرت کو معدوم کرتی اور اپنے قایل کو

بڑا شرک بلکہ منکر خدا بناتی ہے ـ یہی کہنا پڑتا ہے کہ اسکی وحدت کچھ اور ہی قسم کی ہے جو فہم سے بلند و بالا ہے ـ

کلام سے ثابت ہوا کہ اسکی ماہیت واحد ہے اور اسمیں تین اقنوم ہیں یعنے تین شخص آب ـ آبن ـ رُوح القدس اُنکے نام ہیں جو ماہیت اب تعالےٰ کی ہے وہی ماہیت آبن اور رُوح القدس کی ہے کیونکہ اُنکا جوہر ذات ایک ہی صفات بھی ایک ہیں ـ حکمت قدرت ارادہ ایک ہے صرف تعدد شخصی ہے ورنہ ہر طرح سے ایک ہیں اور یہی واحد خدا ہے ـ خدانے اپنی ذات کا بیان اپنی کلام میں یوں ظاہر کیا ہے اور ہم اُسکے فضل سے سمجھے ہیں کہ یہہ حق ہے اِسی کا ماننا خدا کا ماننا اور اسکا انکار خدا کا انکار ہے ـ یہہ خیال خدا نے ظاہر کیا پیغمبروں سے پہونچا اور بیبل شریف میں بتفصیل بیان ہوا اور مومنین کے دلوں اور خیالوں میں زندگی اور روشنی بخش نظر آیا اور فکر سے دریافت ہوا کہ خدا اِس عقیدہ کا حامی ہے ـ بلکہ ساری پاک روحانی برکتیں اور معرفت الٰہی کے اسرار اُنہیں آدمیوں کے حصہ میں ہیں جو اِس واحد فی التثلیث خدا کو مانتے ہیں ـ تم خود سوچو کہ تمام دنیا کے اہل مذاہب میں معرفت الٰہی اور خداشناسی کے بارہ میں کون فرقہ بڑھا ہوا ہے صرف عیسائی لوگ اسکا سبب یہی ہے کہ حقیقی اور زندہ خدا یہی بیبل والا خدا ہے جو اُنکی روحوں میں بوسیلہ اِس ایمان کے موثر ہے اور نور بخش ہے اور اہل مذاہب جو تاریکی میں رہتے ہیں اِسکا سبب یہی ہے کہ اُنکے فرضی اور وہمی یا عقلی خدا جو فی الحقیقت ناچیز شے ہیں کچھہ روشنی اور زندگی اُنہیں داخل نہیں کرسکتے جب سب بطلان دفع ہونیکا وقت آئیگا یہہ سب لوگ بے خدا کھڑے رہجائینگے اور حقیقی زندہ خدا اہل انجیل کے ساتھہ سب کو معلوم ہوجائیگا ـ

## دفعہ ۵ لفظ انسان کے بیان میں

لفظ انسان کی اصل اِنسی ہے - لفظ انسی پر زیادتی معنے کی غرض سے الف نون زیادہ کیا گیا جیسے رحماں میں کثرت رحم : کہلانے کے لئے الف نون زیادہ کیا گیا ہے پس اِنسی سے انسیان بنا کثرت استعمال سے یائے تحتانی گر گئی اِنسان رہگیا لفظ اِنسی ضد ہے وحشی کی انسان کے معنے ہیں - وہ شخص جو بڑے محبت وانس والا ہے مذکر مونث واحد وجمع سب اِسمیں یکساں ہیں انسان کی حالت تمدنی کا بیان اس لفظ میں خوب ہے - اب آپ سوچیں کہ اگر ہم کینہ توز اور خود غرض اور بے محبت اور وحشی مزاج ہوں تو ہم اسم بامسمیٰ انسان ہیں یا نہیں اور ایسے لوگوں نے کہاں تک اپنی وضع سے انحراف کیا ہے

## دفعہ ۶ لفظ آدم کے ذکر میں

آدم نام ہے اِس شخص کا جو پہلا انسان اور سب انسانوں کا باپ تھا معنے اِس لفظ کے ہیں (مٹی یا سرخ مٹی) کیونکہ وہ شخص سرخ مٹی سے بنایا گیا تھا اگرچہ اسکی بناوٹ میں اور سب مخلوقات ارضی کی ساخت میں بڑا امتیاز ہے کہ وہ عجیب طور سے بنا ہے اور اسمیں زندگی کا دم خدا نے پھونکا ہے اور وہ سب ارضی مخلوقات پر حاکم ہے بلکہ تمام کارخانہ زمین کا اِسی کے لئے تیار ہوا ہے تو بھی اُسکا نام آدم ہے یعنے مٹی اِس لفظ میں اُسکے عجز وسفلی کا بیان ہوتا ہے کہ وہ یاد رکھے کہ میں آدم ہوں یعنے مٹی پس ہم سب کو چاہئے کہ اِس لفظ کے معنے یاد رکھیں اور خاکسار رہیں مغروری کی سربلندی کو دل میں جگہ نہ دیں کہ ہم خاک ہیں اور خاک میں جائینگے - خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی

## دفعہ ۷　　لفظ حوّا کا بیان

اِس لفظ کے معنے ہیں زندگی یہہ نام آدم نے اپنی بی بی کو دیا تھا کیونکہ وہ سب زندوں کی ماں ہے (پیدایش ۳-۲۰) اِس عورت کی پیدایش زمیں سے ہوئی تھی اِسی لئی ناری کہلاتی ہے کہ زمین سے نکلے۔ خدا نے آدم کو ایک ہی عورت دی تھی اِس سے خدا کا قانون معلوم ہوا کہ ہر مرد کو ایک ہی عورت چاہیے۔ عورتوں کی کثرت کا دستور آدم کے پوتے لمک بن قاین نے سب سے پہلے دنیا میں نکالا ہی عدہ وظلہ اُسکی دو جوروں تھیں (پیدایش ۴-۱۹) یہہ آدمی خونی تھا اور اِسکا باپ قاین بھی خونی تھا اب جو کوئی ایک سے زیادہ عورتیں جمع کرتا ہے وہ اِس شخص کی سنت پر چلتا ہے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی یہہ سچ ہے کہ پرانے عہد نامہ کے انتظام میں یہہ دستور کچھ معیوب نہ تھا اور خدا تعالےٰ نے بھی اِس معاملہ میں کچھ طرح سی دی تھی۔ کسی حکمت کے سبب سے لیکن جب پاکیزگی کا کمال ظاہر ہوا تو سب کچھ صاف روشن ہوا ہے۔ خدا نے ایک جوڑا آدم اور حوّا کا شروع میں پیدا کیا اور اب دیکھو کہ یہہ زمیں اُس جوڑے کے بچوں سے کسقدر معمور ہے۔

## دفعہ ۸　　وحدت ابوی کا بیان

سب آدمی بنی آدم کہلاتے ہیں بنی اصل میں بنیں تھا نون جمع کا باضافت گرگیا یعنے آدم کے فرزند۔ یہہ آواز دنیا کے شروع سے چلی آتی ہے کہ سب آدم کے بچے ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہہ خیال تھوڑے دنوں سے مشہور ہوا ہے۔

ہمنے سُنا ہے کہ آدم ایک خاص شخص تھا اور اُسکی ایک خاص زوجہ تھی اور اُن دونوں کو خالق نے کچھ اور ہی قاعدہ سے پیدا کیا تھا اُن سے یہہ سب آدمی

پیدا ہوئے ہیں اور اسی آدم کیطرف منسوب ہو کے بنی آدم کہلاتے ہیں اگر یہہ خیال درست ہے تو وحدت ابوی کے سبب سے ہم سب ایک ہی گھرانے کے بچے ہیں۔

بعض اشخاص نے وحدت ابوی کے بارہ میں اختلاف ظاہر کیا ہے پس انکو گمان ہے کئی ایک آدم ہوں گے لیکن انکی دلیلیں جو اسبارہ میں ہیں تسلی بخش نہیں ہیں انہیں عقل سلیم قبول نہیں کرتی وحدت ابوی کا خیال بہت صحیح معلوم ہوتا ہے اور الہامی تواریخ میں ہے اور جہانگیر ہے۔ دلکش بھی ہے اور اسکے ثبوت کی تائید میں ہمارے پاس خیالات ذیل موجود ہیں انپر بھی فکر کرو۔

(۱) سب دنیا کے آدمیوں میں بدنی ساخت یکساں ہے۔

(۲) ہر درجہ کے آدمیوں میں اخلاقی و روحی کیفیت کے اصول مساوی ہیں۔ اور اس سے اتحاد نوعی ظاہر ہو کے منبع کی وحدت دکھلاتا ہے۔

(۳) آدمیوں میں کچھ تفرقیں بھی ہیں لیکن ایسی تفرقیں نہیں ہیں جیسی مختلف انواع کے جانوروں کی آمیزش سے اُن کے بچوں میں ہوتی ہیں آدمیوں میں جو تفرقیں ہیں وہ مختلف ممالک کی آب و ہوا اور مختلف اطوار معیشت اور تاثیرات تمکیہ کے سبب سے ہیں چنانچہ افریقہ اور ایشیا اور یورپ کے باشندوں میں کچھہ فرق سا نظر آتا ہے مگر انسانیت کے ذاتی اصول برابر ہیں۔

(۴) علم ترکیب ارضی سے ثابت ہو گیا ہے کہ ترکیبی نسلیں آگے نہیں بڑہتیں صرف فطری نسلیں آگے چلتی ہیں پھر ہم یہہ بھی دیکھتے ہیں کہ مختلف ممالک کے آدمی آپسمیں شادی بیاہ کرتے ہیں اور اُنکی نسلیں برابر دنیا میں چلتی ہیں اس سے وحدت ابوی ظاہر ہے

(۵) کل بنی آدم میں نوعی مناسبت ہے اور یہہ سرچشمہ کی وحدت کے سبب سے ہی اور اور قیاس بھی اسیطرح کے نکلتے چلے آتے ہیں جو ہمارے دلوں کو مستعد کرتے ہیں تاکہ ہم بموجب ہدایت بائبل شریف کے آدمیوں میں وحدت ابوی کے قائل

ہوں اور کہیں کہ ہم سب آدم کے بچے ہیں کسی کا باداآدم نرالا نہیں ہے اور یہہ جدائیاں جو باطل تعلیموں نے آدمیوں میں ڈالی ہیں نادانی اور مغروری کے سبب سے ہیں اور بہت مضر ہیں۔ انجیل شریف ان جدائیوں کو دور کرتی ہے اور سب آدمیوں میں ایک ہی لہو ثابت کرتی ہے۔ اب وہ سب لوگ جنہیں دنیا کے خود پسند لوگوں نے ذلیل ٹھہراکے الگ کھڑا کر رکھا ہے چاہیے کہ خوشی کا نعرہ مار کے مسیح یسوع خداوند کی جماعت میں چلے آویں کہ وہی ہے جو سب کا حق دیتا ہے۔

## دفعہ ۹ انسان ایک خاص وقت سے دنیا میں ہے

آدم کسی خاص وقت میں موجود ہوا تھا وہ ہمیشہ سے نہ تھا لیکن وہ کب پیدا ہوا تھا اُسے کتنے برس کا عرصہ گذرا اسکے سن سال کا قطعی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے احتمالی ثبوت ہے نہ قطعی اور وہ یہہ ہے کہ عہدعتیق کے عبرانی نسخوں کے نسب ناموں پر فکر کر کے ہمارے بزرگ عالموں نے یوں دریافت کیا ہے کہ آدم ہمارے خداوند یسوع مسیح سے (۴۰۰۴) برس پہلے دنیا میں پیدا ہوا تھا اور اس تعداد کے ساتھ اسوقت (۱۸۹۹) مسیحی برس ملانے سے (۵۹۰۳) برس آدم کو ہوتے ہیں اور عموماً کلیسیا میں یہہ تعداد مسلم ہے بلکہ کلام اللہ کے حاشیہ پر یہی مرقوم ہے کیونکہ پرانے نسب ناموں کے حساب سے یہی تعداد آتی ہے سپتواجنت اور تواریخ یوسیفس سے جہاں حدیثوں کی بھی رعایت ہے آدم سے مسیح تک (۵۵۰۰) برس کا عرصہ نکلتا ہے اِسلئے ہم برسوں کی تعداد قطعاً معین نہیں کرسکتے اور نہ کسی تعداد پر زور دیتے ہیں کیونکہ ہمارا کوئی ایمانی مسئلہ کسی تعداد پر موقوف نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ وہی حساب درست ہو جو عبرانی نسخوں سے آتا ہے۔

ہاں اِس بات کا ثبوت ہم پر واجب ہے کہ جہان کی پیدایش میں آدم خدا تعالیٰ کا آخری مخلوق تھا اور کہ چھٹے دن میں آدم اور حوّا کی پیدایش ہوئی ہے اِنکی پیدایش کے بعد کسی اور چیز کی پیدایش کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں سے دو باتیں نکلتی ہیں۔

**اول** آنکہ وہ جوڑا آدم اور حوّا کا تمام پیدایش میں آخری مخلوق تھا۔
**دویم** آنکہ ساری جسمانی پیدایش کا مقصد وہی جوڑا تھا جس پر خالق نے پیدایش کا کام تمام کر دیا تھا۔

وہ جو کہتے ہیں کہ آدمی ہمیشہ سے یوں ہی برابر چلے آتے ہیں غلطی پر ہیں کیونکہ اِنکے لئے ابتدا ضرور ثابت ہے۔

علم ترکیب ارضی ثابت کرتا ہے کہ انسان کا وجود ایک خاص وقت میں نظر آیا ہے وہ لا انتہا عرصہ سے نہیں ہے اور جب کہ علمی طور سے یہہ بات معلوم ہو گئی تو پھر کلام اللہ پر ایمان لانے میں کیا حجت ہے

(د) ہر ابتدا۔ کے لئے انتہا ہے اور انسان کے لئے ابتدا ثابت ہے پس انسان کیلئے انتہا بھی آویگی۔ اور چونکہ انسان کی روح غیر فانی مخلوق ہے اِسلئے اُسکی انتہا یہی ہے کہ وہ دوسری حالت میں جائے۔ اُسی کا نام آخرت ہے اُسوقت ولادت کا قاعدہ بند ہو جائیگا اور جہان کے کام تمام ہو جاینگے قدرت الٰہی کچھ اور ہی رنگ دکھلائی گی اگر مرضی ہو تو نبیوں کی بات مان لو کہ آخرت آنے والی ہے ورنہ انسان کیلئے علمی طور سے ازلیت ثابت کرو اور علم ترکیب ارضی کو جو انسان کے لئے ابتدا ثابت کرتا ہے خاک میں دبا دو جہاں وہ پہلے دبا تھا یا کہو کہ ہر ابتدا۔ کیلئے انتہا ثابت نہیں ہے اور اپنی تمیز کو آپ ہی جواب دیلو۔

## دفعہ ۱۰ آدم کیونکر پیدا ہو گیا

دنیا کے سب آدمی قاعدہ معمولی کے موافق والدین سے پیدا ہوتے ہیں اور
یہہ انکے لئے فطری قاعدہ ہے چنانچہ سب حیوانات کے لئے بھی قواعد فطریہ
مقرر ہیں اگر یہی قاعدہ شروع سے ہے تو پہلے جوڑے کے والدین کون تھے
اور انھیں سے بھی ہر فرد کیلئے ایک جوڑہ چاہیے دَوْر تو کسیطرح سے ہو ہی
نہیں سکتا کہ اُس جوڑہ کا وجود ہم پر موقوف ہو اور ہمارا وجود اُس پر۔
اور تسلسل بھی باطل ہے اور یہہ خوب ثابت ہے کہ انسان سب سے پیچھے
پیدا ہوا ہے پس وہ پہلا جوڑا یقیناً قاعدہ معلومہ کے خلاف کسی اور قاعدہ
سے پیدا ہوا ہوگا اور یہہ قاعدہ معمولی اُسکی پیدایش کے بعد جاری ہوا ہے
اب حجت اسمیں ہے کہ وہ جوڑا کس قاعدہ سے اور کیونکر پیدا ہوا تھا
اگر کوئی آدمی اپنی عقل سے کہے کہ اسطرح سے یا اس طرح سے ہوا ہوگا تو
یہہ سب اُسکے بیان عقلی امکان ہونگے یا قوت واہمہ کے توہمات
ہونگے جن سے کسی امر کا ثبوت نہیں ہوا کرتا ہے۔ اور کوئی نظیر بھی دنیا
کی تواریخ میں نہیں ہے کہ کوئی انسان کبھی اتفاق سے یا ترکیب بھاپ
وغیرہ سے پیدا ہو کے آدمیوں کے جھنڈ میں آملا ہو جس پر قیاس کرکے اُس
پہلے جوڑے کو بھی ایسا ہی سمجھیں۔ حالانکہ اسوقت جو انسانی جوڑے دنیا
میں موجود ہیں اُنپر غور کرنے سے اُنکی بناوٹ میں عجیب حکمت اور ارادہ صانع
کا پایا جاتا ہے اور یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا جوڑا جو ان سب جوڑوں کا سانچا
تھا اور کچھ اور ہی قاعدہ سے بنا تھا وہ قاعدہ اپنے وقت پر ظاہر ہوکے پوشیدہ
ہو گیا ہے اور یہہ معمولی قاعدہ جاری کر گیا ہے۔ چنانچہ تمام دنیاوی فطری قواعد

مقررہ کی جڑوں میں کچھ اور ہی قاعدے صانع کے پاس بچشم غور نظر آتے ہیں جو آدمیوں کی سمجھ سے باہر ہیں اور وہ اپنے وقتوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ عام نہیں ہیں کہ ہر وقت نظر آیا کریں انہیں قواعد مخفیہ سے بوقت مناسب معجزات بھی ہوتے ہیں جو سچے معجزے کہلاتے ہیں۔

کوتاہ اندیش لوگ جو خدا کی معرفت سے بے نصیب ہیں انہیں چند قطرے معلومہ قواعد میں خدا کی ساری قوت کو منحصر سمجھ کے گمراہی کے گرداب میں ناحق ڈبکوں کر رہے ہیں۔

بیدار مغز آدمی گہری نگاہ سے دیکھتا ہے کہ کیا ہے۔ بائبل شریف کی صدہا باتیں اسی دنیا میں برحق ثابت ہو چکی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اس جوڑے کی پیدائش کا ذکر جیسے کہ اسمیں لکھا ہے مانا جائے حالانکہ عقل سلیم صاف کہتی ہے کہ یہہ بیان خدا کی شان کے مناسب ہے۔

(پیدائش ۲-۷) میں ہے کہ خدا نے آدم کو خاک سے بنایا۔ یہہ اُسکے جسمی مادہ کا ذکر ہے اور اسباب کا بیان ہے کہ وہ حیوانی ترکیب سے نہیں نکلا بلکہ خدا نے خاک کا ایک پتلا بنایا اور اُسمیں خدا نے زندگی کا دم پھونکا یہہ اُسکے دوسرے جز کا ذکر ہے جسکو نفس ناطقہ کہتے ہیں جو عالم بالا سے اُسمیں ڈالا گیا (پیدائش ۱-۲۶) میں ہے کہ خدا نے اُسے اپنی صورت پر بنایا۔ صورت سے مراد یہ ہے کہ انسان کی ظاہری اور باطنی روحانی و اخلاقی صورت ایسی بنائی کہ خدا کے ساتھ ایک خاص نسبت اور مشابہت اور علاقہ اُسکا ہوا۔

مشبہہ اور مشبہ بہ میں موافقت کلی تو کبھی نہیں ہوتی ہے ورنہ دوئی زائل ہو جائیگی لیکن کسیقدر موافقت اور مناسبت بعض امور میں ہوا کرتی ہے انسان میں اور خدا میں پوری دوئی ہے لیکن وہ ایسی صورت میں پیدا ہوا ہے کہ صفات

الہیہ کا گونہ مظہر اور تجلیات کا ہبط اور الٰہی مرضی و احکام بجا آوری کی لایق
وضع میں ہے اور آزاد بھی ہے نہ مجبور اور عقل قبول کرتی ہے کہ ضرور انسان
ایسی وضع میں ہے اگرچہ وہ صورت اُسکی بعد گناہ کے بگڑ گئی ہے تو بھی شعر

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ * آثار پدید است صنادید عجم را

اور اس سے یہہ بھی ثابت ہے کہ وہ اتفاقی مخلوق نہیں بلکہ ارادی ہے
آدم کا جسم خاک سے بنا اور روح اللہ نے پھونکی لیکن اُسکی زوجہ کو اُسکی
پسلی سے نکالا اور اُسکی روح کا ذکر نہیں ہے کہ کہاں سے ای قیاس چاہتا ہے کہ
جیسے جسم سے جسم نکلا ویسے روح سے روح پیدا کی اسی لئے وہ مرد کی دبیل اور اُس
سے کمزور ہے۔

**اول** خدا نے زمیں آسمان کو حکم سے پیدا کر دیا اور وہ بے مادہ صرف حکم سے
موجود ہوگئے ثانیاً اُسنے زمین کو حکم دیکے اُس سے حیوانات اور نباتات نکلوائے
ثالثاً آدم کو خود پیدا کیا رابعاً آدم میں سے حوا کو نکالا خامساً تولید کا قاعدہ
جاری کیا۔ پس پہلا آدمی کاین پیدا ہوا جو معمولی قاعدہ سے ہے۔

پہلے چار قاعدے عمل میں آئے تب پانچواں قاعدہ جاری ہوا اور وہ قوت
جس سے یہہ کچھ ہوا خدا میں ازل سے مخفی تھی اور اب بھی اسمیں مخفی اور موجود
ہے۔ اُسنے جو چاہا سو کیا اور آیندہ کو بھی جو چاہیگا سو کریگا اور جسوقت
جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تو کیا کرتا ہے یا تو نے ایسا
کیوں کیا کسکا منہہ ہے جو ایسا بولے البتہ کافر آدمی جو چاہتا ہے سو بکتا ہی
اور اپنا نقصان کرتا ہے لیکن خدا کے عارف لوگ جانتے ہیں کہ اُسکے سارے
کام راستی اور انصاف اور حکمت اور محبت کے ہیں کوئی سمجھے یا نہ سمجھے
ہاں جنہوں نے اُسکی کتاب بیبل شریف کو اُس سے ٹہہ ہے وہ غیردان

کی نسبت زیادہ سمجھتے اور تسلی سے بھرے ہیں۔

## دفعہ ۱۱۔ ہم سب کیونکر پیدا ہوتے ہیں

اُسی قاعدہ سے جو بعد پیدائش پہلے جوڑے کے جاری ہوا ہے سب آدمی پیدا ہوتے ہیں (پیدائش ۱-۲۸) خدا نے اُس جوڑے کو پیدا کر کے برکت دی اور برکت میں چار لفظ فرمائے تھے۔

پھلو۔ بڑھو اور زمین کو معمور کرو اور اُسے محکوم کرو لفظ پھلو میں خدا نے ہم سب کو اُس جوڑے میں یاد کیا تھا اور لفظ بڑھو میں سلسلہ تولید کے اجرا کا ذکر کیا تھا اور لفظ معمور میں خدا کی نگاہ اُس بڑی آبادی پر تھی جو دنیا میں اب نظر آتی ہے اور لفظ محکوم میں وہ اختیارات اور تصرفات یاد کیے گئے تھے جو اب دنیا میں آدمیوں سے ہو رہے ہیں اور بڑھتے جاتے ہیں اور جنکی تکمیل کا وقت چلا آتا ہے۔

ان الفاظ پر اور دنیا کی تواریخ اور حالت پر غور کیجئے کہ وہ برکت جو خدا نے اُس جوڑے کو دی تھی کیونکر بتدریج پوری ہوتی اور ترقی کرتی چلی آئی ہے اور ان الفاظ برکت میں کچھ صداقت نظر آتی ہے یا نہیں اور کہ یہ برکت کا بیان اور یہ کتاب پیدائش اُسوقت کی ہے یا نہیں کہ جسوقت دنیا میں اندھیرا تھا نہ اسقدر آبادی تھی نہ ایسی حکمت تھی لیکن ایک وقت آیا کہ یہ مضمون سچ نکلا تو اوپر کا بیان بھی جسکا یہ مضمون ایک حصہ ہے کیوں نہ سچ ہوگا۔

آدمی سے آدمی پیدا ہوتا ہے اسلئے تو آدم ہماری جسمانی موجودگی کا ایک ظاہری وسیلہ ہے (اقرنتی ۱۵-۴۵) جسم سے جسم پیدا ہوتا ہے۔

اور روح سے روح پیدا ہوتی ہے (یوحنا ۳ - ۶) اور والدین کی جسمانی ساخت اور کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ مزاجی اور اخلاقی کیفیت بھی اور امراض متعدیہ بھی اولاد میں نظر آتی ہیں جنکا انکار نہیں ہوسکتا اور اسی لئے یہہ کہاوت مشہور ہوئی ہے کہ باپ پر پوت پتا پر گھوڑا بہتا نہیں تو تھوڑا تھوڑا

ظاہر ہے کہ والد سے رحم والدہ میں ایک قطرہ گرتا ہے - اُسمیں ایک نقطہ ہے جو اس پیدا ہونے والے کی زندگی کا مرکز سا ہے اُسمیں الٰہی قدرت کا کچھ تصرف ہوتا ہے جو انسانی سمجھ سے بلند ہے (واعظ ۱۱ - ۵) تو نہیں جانتا کہ حاملہ کے رحم میں ہڈیاں کیونکر بنتی ہیں -

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یوں یوں ہوتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتے کہ یوں کیوں ہوتا ہے - کلام اللہ بتلاتا ہے کہ انسان کی پیدایش امر اتفاقی نہیں ہے خدا کے ارادہ سے انسان رحم مادر میں ڈالا جاتا ہے (ایوب ۳۱ - ۵) جسنے مجھے رحم میں ڈالا اُسنے اسے بھی بنایا - اور اسی وقت سے الٰہی کمک اُس جنین بچہ کی نسبت معلوم ہوتی ہے (یشعیا ۴۴ - ۲) وہ خداوند تیرا خالق جسنے تجھے بنایا اور رحم ہی سے تیری کمک کی یوں فرماتا ہے (زبور ۱۳۹ - ۱۵ و ۱۶) جبکہ میں پردہ میں بنایا جاتا تھا اور زمین کے اسفل میں منقوش ہوتا تھا تو میرے جسم کی صورت تجھ سے پوشیدہ نہ تھی تیری آنکھوں نے میرے بے ترتیب مادہ کو دیکھا اور تیرے دفتر میں یہہ سب چیزیں تحریر کی گئیں - یہہ قدرتی کام مٹی میں شروع ہوتا ہے اور آدمی مٹی سے بنتا ہے (ایوب ۳۳ - ۶) میں بھی مٹی سے بنا ہوں - آدم اور حوا کے سوا سب آدمی والد کے صلب سے پیدا ہوتے ہیں (پیدایش ۴۶ - ۲۶) یعقوب کے صُلبی فرزند چھاسٹ مصر میں آئے تھے - اسیطرح ہر آدمی کیلئے اوپر کیطرف ایک صُلبی سلسلہ ہے جو آدم تک

نسب کہلاتا ہے۔

دو نسب نامے انجیل متی و لوقا میں جو ہمارے خداوند مسیح کے مذکور ہیں وہ مریم اور یوسف کے ہیں۔ یوسف مسیح کا شرعی باپ تھا نہ جسمانی مریم جسمانی والدہ تھی مسیح کا بدن اُسکے خون سے بنا۔ لیکن وہ نقطہ جو اُسکے رحم میں آیا اُسی قدرت سے آیا تھا جس قدرت سے آدم بنا تھا (لوقا ۱-۳۵) پس یوسف اور ابراہیم و داؤد وغیرہ مسیح کے شرعی باپ تھے نہ اصلابی اور مریم کے ساتھ خونی مشارکت کے سبب سے مسیح کا جسم اُن بزرگوں کا خون تھا اور مشارکت شرعی و جسمانی کے سبب سے وہ اُن کا فرزند کہلاتا ہے اور سب آدمیوں میں ایک ہی لہو ہے اور ایک خاص قسم کا لہو ہے جو صرف آدمیوں میں ہے اسکے اجزا، تمام حیوانات کے خون سے الگ قسم کا اجزا ہیں اس زمانہ میں یہہ ثابت ہوگیا ہے کہ آدمی کا خون خاص قسم کا ہے اب آدمی دہو کہا نہیں کہا سکتے کہ جانور کے خون اور آدمی کے خون میں امتیاز نہ کر سکیں۔ یہہ آدم کا خون کل دنیا کے آدمیوں میں یکساں ہے اور اُس سے بھی وحدت ابوی ظاہر ہوتی ہے (اعمال ۱۷-۲۶) خدا نے ایک ہی لہو سے آدمیوں کی سب قوموں کو تمام سطح زمین پر بسنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور یہہ بھی درست بات ہے کہ خون میں جوش ہے اور موانست کا ایک بڑا یہی سبب بنی آدم میں ہے اور جدّی خون کا جوش اقرب موانست کا باعث ہے وہ کہاوت درست ہے (آخر لہو نے جوش مارا)

## دفعہ ۱۴ انسان کی اصطلاحی تعریف

انسان کیا چیز ہے۔ یا یوں کہو کہ ہم جو بنی آدم کہلاتے ہیں ہم کیا ہیں

اِس سوال کا جواب اہلِ علم یوں دیتے ہیں (انسان حیوان ناطق ہے)
انسان کی تعریف سب نے یہی کی ہے اور یہہ تعریف درست اور صحیح ہے۔
کیونکہ یہہ جنس قریب اور فصل قریب سے اِنسان کی حد تام ہے اور اس سے
بڑھکر کامل تعریف اُسکی ہو نہیں سکتی۔

اب مناسب ہے کہ ہم سب اپنی جنس اور فصل پر غور کرکے آپ کو خوب
پہچانیں اور اُس سے کچھ عمدہ نتایج نکالیں نہ یہہ کہ عام لوگوں کی مانند اپنی
تعریف کا فقرہ ہی سن کے چُپ کر رہیں۔

واضح ہو کہ جب ہم اپنی اجناس میں غور کرتے ہیں تو ہمیں نیچے کی طرف
بہت اُترنا پڑتا ہے اور جب فصول کی طرف دیکھتے ہیں تب اوپر چڑھتے
آتے ہیں۔

پہلے حیوان کے مفہوم کو ٹٹولو کہ وہ کیا ہے یہی کہنا پڑیگا کہ (حیوان ایک
جسم ہے نامی حساس متحرک بالارادہ) یہہ حیوان کی تعریف ہوئی اِس میں
جزءِ اعظم یا جنس جسم ہے اور نامی حساس اور متحرک بالارادہ فصلیں ہیں انہیں
چھوڑکے جسم کو دیکھو کہ وہ کیا ہے یہی کہوگے کہ (جسم ایک چیز ہے جسمیں ابعاد
ثلثہ ہیں) یہہ جسم کی تعریف ہوئی۔ ابعاد ثلثہ سے مراد ہے طول عرض عمق
اِس سے نیچے اُترنا مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اگر کچھہ اور بھی
نیچے اُتریں تو عناصر کی اور جوہر کی بحث پیش آجاتی ہے اور یہی کہنا
پڑتا ہے کہ کچھہ ہے تو لیکن عقل سے صاف صاف معلوم نہیں ہو سکتا ہے
امکانی خیالات کے ڈھیر لگ جاتے ہیں جن سے صرف حیرانی پیدا ہوتی ہے؛
اور حقیقی بات انسانی فہم سے پیدا نہیں ہوتی ہے۔ یہہ مقام ایک ورطہ یا
گرداب ہے جسمیں بہت لوگ ڈوب مرے ہیں اور گوہر مراد پا کے کوئی خوش نہیں

نہیں نکلا یہہ خوف خطرہ کا مقام ہے اسی جگہہ پہ کھڑے ہو کے کسی نے کہا کہ ہمہ اوست ہے اور کسی نے کہا نہیں ہمہ از دوست ہے پہلا خیال زہر قاتل اور دوسرا خیال تریاق ہے جو اسی جگہہ سے آدمی نکالتے ہیں لہذا اس بحث کو طول دینا بیفایدہ دردسری ہے۔

ہم جو عیسائی ہیں اس مقام پر اُس انبیائے قول کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں کہ خدائے قادر نے مادہ کو بے مادہ صرف اپنے حکم کی تاثیر سے موجود کیا اور مادہ کا مادہ گویا وہ حکم الہی تھا کہ اسنے کہا ہو جا اور ہو گیا کچھہ نہ تھا۔ اور سب کچھہ ہو گیا۔

دیکھو نیچے کیطرف اترنے میں تنزل پر تنزل چلا آتا ہے اور تمام تنزلات کے نیچے یہی آتا ہے کہ کچھہ نہ تھا۔ تو بھی اب ہم سب کچھہ موجود دیکھتے ہیں اور کلام اس میں باقی رہتا ہے کہ یہہ سب کچھہ کہاں سے اور کیونکر ہو گیا۔ کہاں سے کا جواب تو ہمارے پاس صرف یہی ہے کہ نیستی سے نکلا جو انسانی خیال میں محال ہے مگر وہ فطری نور جو خدا نے ہم میں رکھا ہے یہہ دکھلاتا ہے کہ خدا کی قوت کے سامنے محال نہیں ہے۔

اور لفظ کیونکر کا جواب یہہ ہے کہ قادر کی قدرت سے ہوا اُسکی قدرت کے سامنے بہت سی وہ باتیں جنہیں ہم محال کہتے ہیں محال نہیں ہیں۔

پس میں جسم ہی پہ اس بحث کو چھوڑتا ہوں اور یوں کہتا ہوں کہ اسکے تحقیقات عقلیہ کا دروازہ بند ہے اور جو جو کچھہ اہل خیال بولتے ہیں وہ اُنکی امکانی تجویزیں ہیں پس چاہیے کہ ہم اس خیالی غار میں سے نکلیں اور اپنی ماہیت کے مفہوم میں اوپر کیطرف چڑھیں جہانتک چڑھ سکتے ہیں اور خوب ٹٹولیں کہ ہمارے وجود میں کیا کچھہ ہے اور کہانتک ہمیں امید

پس معلوم ہو جائے کہ ہم سب جسم مطلق میں شامل ہو کے ٹھوس بے جان
پتھروں اور اینٹوں اور خاک کے ہمجنس یا ہم رتبہ یا رشتہ دار ہیں خدا قادر نے
ایک خاص شکل میں لایا اور اُسنے قدرتی تصرف سے ہم میں قوت نامیہ جس سے
بڑہنے اور نشو نما کی شادابی حاصل کرتے ہیں پیدا کی تب ہم جمادات کے
درمیان ممتاز ہوئے اور درختوں میں شامل ہو گئے اور جمادات ہمارے
نیچے آئے تو بھی حیوانات اوپر رہے۔
یہہ قوت نامیہ ہم میں کہاں سے آگئی کیا صرف جمادات میں سے نکلی ہرگز
نہیں بلکہ یہہ ہوا کہ ہماری جمودیت کو کوئی خارجی قوت ترتیب خاص میں لائی
اور مادہ کے درمیان سے مٹی اور ہوا اور دھوپ نے اُسی ترتیب میں تاثیر کی
اور اُس خارجی قوت کی مرضی اور ارادہ کے موافق ایک خاص قوت ہم میں
موجود ہو گئی جسکو قوت نامیہ کہتے ہیں اور اِس قوت کے سبب سے ہم نباتات
کی جنس میں شامل ہو گئے جسم نامی ٹھہرے۔ جسم نامی کے معنے ہیں وہ جسم
جس میں نمو کی قوت ہے پھر بھی بے حس و حرکت تھے صرف نمو کی شان
آگئی تھی۔
اِسکے اوپر ایک اور چیز جسکو حیات کہتے ہیں اور اُسی کا نام فارسی
میں جان ہے ہم میں آگئی جس کے سبب سے ہم حساس اور متحرک بالارادہ
ہو گئے اور نباتات کی برادری میں سے نکلے حیوانات میں شامل ہوئے۔
حیات کے معنے ہیں زندگی حیوان وہ ہے جسمیں حیات ہے حساس کے معنے
ہیں حسوں والا اور متحرک بالارادہ وہ ہے جو اپنے ارادہ سے حرکت کرتا ہے
یہہ دونو باتیں یعنے حسوں والا ہونا اور حرکت کنندہ ہونا حیات کو لازم ہیں
یہہ حیات یا جان حیوانوں میں کہانسے اور کیونکر آگئی ہے ظاہر تو ہے کہ

عنصروں کی خاص ترتیب سے نکلی ہے تو بھی اُس قوت خارجی کا جو جہاں میں ہر کہیں موثر نظر آتی ہے اِس حیات کے ایجاد میں صاف صاف دخل معلوم ہوتا ہے کیونکہ حیوان کی جان اور اُسکے جسم پر غور کرنے سے اور اُسکی خصائیں کے دیکھنے سے موجد کے آثار ارادہ اُسمیں نظر آتے ہیں اور وہ ارادے ہر جانور کی زندگی میں پورے بھی ہوتے ہیں۔

البتہ حیوانات کی جانوں میں ادراک اور تعقل نہیں ہے صرف زیست کے بحال رکھنے کا اور تلاش معیشت کا تھوڑا سا شعور فطری ہے جسکو عقل حیوانی کہنا چاہیے اور وہاں تک انسان بھی حیوانوں کی برابر رہتے ہیں۔

حیوانوں میں سے ایک قسم کا حیوان انسان ہے اور اُسمیں ایک خاص چیز ایسی دکھلائی دیتی ہے جو اور حیوانوں میں نہیں ہے اُس چیز کو اہل علم نطق کہتے ہیں یہہ کوئی اور ہی چیز ہے جو اُس حیوان یعنے انسان کی جان کے اوپر کہیں سے اُسمیں آگئی ہے اور اسی چیز کے سبب سے یہہ دیگر حیوانوں میں ممتاز ہوا ہے اور اُنہیں سے نکل کے اعلے رتبہ کو پہونچا ہے اور اُسکی تعریف حیوان ناطق ٹھری ہے۔

(ف) دیکھو ہمارا نچلا حصہ خاک ہے اور اُسکے اوپر نمو ہے اور نمو کے اوپر جان ہے اور جان کے اوپر نطق ہے اور یہہ ہمارا اوپر کا حصہ ہے یہہ سب کچھ تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا خالق ہمیں ترقی دیتا ہوا کہاں سے کہاں لایا ہے اب کون کہہ سکتا ہے کہ آگی کو ترقی کا دروازہ بند ہو گیا ہے شاید ہم اور بھی ترقی کرتے کرتے خالق کی حضوری میں پہونچیں گے اور خاک سے افلاک پر چڑھیں گے یا اسفل السافلین میں گرینگے۔

دفعہ ۱۳ **نطق کے بیان میں**

اب نطق کیطرف دیکھئے کہ وہ کیا چیز ہے۔ عربی زبان میں نطق کے معنے ہیں بولنا

لیکن اصطلاح میں صرف بولنا ہی نہیں بلکہ ادراک معنی کی بھی اسمیں شرط ہے اور اس صورت میں نطق نام ہوا اُس قوت کا جو ادراک معنے کی قوت انسان میں ہے اور اسی قوت کے لحاظ سے انسان کی روح کو نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا نفس ناطقہ یا بولتا نکل گیا تو یہی مراد ہے کہ اُسکی روح نکل گئی۔

لفظ نفس کے معنے ہیں حقیقت شے۔ انسانی نفس سے مراد ہے انسانی حقیقت یعنے وہ اصلی چیز جو انسان میں ہے۔

اُسکا دوسرا نام روح ہے لطافت کے سبب سے اسوقت یہہ معلوم ہوجائے کہ وہ حقیقت انسان جسکو نفس انسان کہتے ہیں وہ ایک ہی چیز ہے اور جسکے نام چھہ ہیں بلحاظ اُسکی چھہ صفتوں کے قوت ادراک کے لحاظ سے اُسکو نفس ناطقہ کہتے ہیں کیونکہ اُسمیں ادراک کی قوت ہے۔ اور جب وہ نفس دنیاوی لذتوں کیطرف بشدت مایل ہوتا ہے تو اُس صورت میں اُسکو نفس امارہ کہتے ہیں۔

اور جب وہ نفس اپنی بدکرداری سے پچھتاتا ہے اور شرمسار ہوتا ہے اُسکا نام نفس لوامہ ہوتا ہے اور جب وہ خدا سے مغفرت اور تسلی حاصل کرکے خوشی میں ہوتا ہے اُسوقت اُسکو نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور جب اسپر ہدایت غیبی کے انوار الہی فیضان سے نازل ہوتے ہیں یا اُسپر چمکتے ہیں تب اُسکا نام نفس ملہمہ ہوتا ہے اور لطافت کے لحاظ سے ہر کوئی اُسے روح کہتا ہے پس چیز ایک ہی ہے نام چھہ ہیں۔

یہہ حقیقت انسان یعنے روح جسمیں یہہ چھہ کیفیتیں ہیں اور جسکے سبب سے انسان ارضی مخلوقات میں اشرف نظر آتا ہے تمیزی ادراک کہتا ہے کہ وہ حیوانی جان کے اوپر کوئی شے ہے لیکن اُسکی ماہیت کہ وہ کیا ہے عقل انسانی

پوری پوری دریافت نہیں ہوسکتی ہے مگر بیبل شریف نے اس بارہ میں ہماری تسلی کردی ہے یہہ دکھلاکے کہ یہہ نفس ناطقہ یا روح عالم بالا کا ایک شخص ہے اور مخلوق ہے جسے خدا نے پیدا کیا اور انسان کے بدن میں اسکی جان کے اوپر۔ کہا ہے اسی کا نام کلام اللہ میں زندگی کا دم ہے جو خدا سے آدم میں پھونکا یعنے پیدا کیا گیا تھا پس ہمارا دعوی یہہ ہے کہ یہہ نفس ناطقہ جو انسان میں ہے شکل نمو اور حیات کے ترکیب عناصر کا حاصل نہیں ہے بلکہ عالم علوی کا ایک جوہر بڑا شریف اور بیش قیمت ہے

## دفعہ ۱۴ جان اور روح کا بیان

لفظ روح کے معنے ہیں ہوا لیکن نہ وہ ہوا جو ہمارے چار طرف بہتی ہے کیونکہ آدمی کی روح میں کچھ کیفیت ہے جو عام ہوا میں نہیں ہے تو بھی اس عام ہوا کے ساتھ اسکی روح کا کچھ علاقہ ہے لطافت اور سکونت کے لحاظ سے چنانچہ اگر کسی مکان میں خلا کردیا جائے اور ہوا کھینچ لی جائے تو وہاں کوئی جانور اور انسان جی نہیں سکتا فوراً جان نکل جاتی ہے اسکا نتیجہ یہہ نہیں ہوسکتا کہ روح انسانی محض ہوا ہے بلکہ یہہ بات ہے کہ گویا روح ہوا پر سوار ہے اور ہوا اسکا مسکن سا ہے جب ہوا کھنچ گئی تو روح کیلئے مسکن نہ رہا اسلئے وہ غائب ہو جاتی ہے اور کہیں چلی جاتی ہے ہوا میں رل مل ہی نہیں جاتی۔

لفظ روح کے اصطلاحی معنوں میں اور اسکی ماہیت کے بیان میں اہل علم نے آج تک بہت سا اختلاف کیا ہے اور ان لوگوں کا سارا بیان دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روح کی ماہیت آدمیوں کو ابتک معلوم نہیں ہوئی ہے۔

ہاں یہہ بات توخوب معلوم ہے کہ انسان میں مثل سب حیوانات کے ایک حرارت ہے جسکو یہہ حکیم حرارت غریزی کہتے ہیں - غریزہ نام ہے سرشت یا طبیعت کا اور سرشتی حرارت جو عناصر کی امیزش سے پیدا ہوتی ہے وہی حرارت غریزی یا سرشتی ہے-

یہہ حرارت قلب میں کہ گوشت کا ٹکڑہ ہے پیدا ہوتی ہے اور نسوں کے وسیلے سے سارے بدن میں پھیلتی ہے اسی کو طبیب لوگ روح حیوانی کہتے ہیں اور بیماری کی حالت میں اسی کے سنبھالنے کی کوشش ہوتی ہے کیونکہ ہر جاندار کی زندگی اُسی پر موقوف ہے اور اسیکا نام جان ہے جسکے سبب سے سب حیوان جانور یعنے جانوالے کہلاتے ہیں-

لیکن یہہ چیز جسمانی ہے اور جسم کے ساتھہ فنا ہو جاتی ہے اُسکو کوئی حکیم ہوائی جسم کہتا ہے اور کوئی آتشی اور کوئی آبی تبلاتا ہے اور یہاں تک انسان میں اور سب حیوانات میں مساوات رہتی ہے اور جب کہا جاتا ہے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں یعنے روح اور جسم تو جسم کی غایت اُسکے اعضا کثیفہ سے لیکے اُسکی اسی جان تک مراد ہوتی ہے یعنے جسم کی حد میں یہہ جان بھی آجاتی ہے اور روح سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو حد جسمانی سے باہر ہے-

خداوند یسوع مسیح کی نسبت اتھاناسیس کے عقاید نامہ میں لکھا ہے (فقرہ ۳۲) کامل خدا کامل انسان نفس ناطقہ اور انسانی جسم کی ترکیب میں موجود - یہاں لفظ جسم میں یہہ حیوانی جان بھی شامل ہے

اس جان میں بھی کسیقدر شعور معیشت کی روشنی خالق سے ڈالی ہوئی نظر آتی ہے لیکن وہ شعور ہے نہ عقل جانور اس شعور محدود کے وسیلہ سے دنیا میں گذارہ کرتے ہیں اور معمولی طریقہ میں اُس سے کام لیتے ہیں

نہ اُنہیں ترقی کر سکتے ہیں نہ اُسے اشکالِ متنوّعہ میں استعمال کر سکتے ہیں پس وہ ایک خاص حد میں رہتے ہیں۔

آدمی میں اس جان کے اوپر کوئی اور چیز ہے اور وہ صرف انسان ہی میں پائی جاتی ہے اور وہی فصل ہے جو کہ انسان کو حیوان مطلق میں سے نکالتی ہے۔ جمادات میں سے نکالنے کے لئے نمو فصل تھا اور نباتات میں سے نکالنے کے لئے یہہ جان فصل ہوئی تھی۔ اب حیوانات میں سے نکالنے کے لئے یہہ چیز فصل ہے جسکو نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

یہہ روح کیا چیز ہے کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک نور ہے اُسمیں تعقل اور ادراک ہے اور حرکت وارادہ کی استعداد ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ کوئی شے قدیم ہے لیکن ایسا بولنے والا کچھہ ثبوت نہیں دیسکتا کوئی کہتا ہے کہ وہ حادث ہے لیکن غیر فانی ہے خالق نے اُسے ابدتک زندہ رکھنے کے لئے پیدا کیا ہے اُسکے لئے ابتدا تو ہے لیکن انتہا نہیں ہے ایسا بندوبست خالق نے اُسکے لئے کیا ہے ہمارا بھی روح کی نسبت ایسا ہی یقین ہے اور یہی خیال سب پیغمبروں کا تھا اور ثبوت اس خیال کا اسی روح کی صفتوں میں سے نکلتا ہے۔ بعض اہل فکر نے کہا ہے کہ یہہ روح عالم تجرد کا ایک شخص ہے خاکی بدن میں رہتا ہے جیسے جسمانی اعضا بدن میں ہیں ویسے ہی روح میں بھی اعضا ہیں لیکن یہہ خیال صوفیہ کا ہے اور اُسکا ثبوت کچھہ نہیں ہے۔

کلام اللہ میں اس روح کو باطنی انسان کہا گیا ہے (۲ قرنتی ۴-۱۶) ہماری ظاہری انسانیت نیست ہوتی ہے لیکن باطنی انسانیت روز بروز نئی ہوتی جاتی ہے۔ (رومی ۷-۲۲) میں باطنی انسانیت سے خدا کی شریعت

میں مگن ہوں۔

اسی باطنی انسانیت کے ذمہ افعال کی جوابدہی ہے۔ ساری پیغمبرانہ مسیحیات پر زور لگاتے ہیں کہ یہہ باطنی انسان ابدی دکھوں سے بچایا جائے اسی کی اصلاح کے لئے مسیح خداوند مجسم ہو کے دنیا میں آیا اور مصلوب ہوا مرگیا مدفون ہوا تیسرے دن جی اٹھا اور اپنی اس بیش قیمت موت اور حیات کی تاثیروں سے وہ ہمارے اس باطنی انسان کو نیا بناتا ہے۔ (افسی ۲ - ۵ دہم - ہم ۲) اور یہی باطنی انسان ہے جو خدا کے قرب اور رفاقت حاصل کرتا ہے اور یہہ ہر انسان کی جان یا روح حیوانی پر سوار سا ہے لیکن اسکا جلال دماغ میں زیادہ ظاہر ہے۔

## دفعہ ۱۵ روح اور جان کی زیادہ توضیح

ایک فارسی شاعر نے یوں کہا ہے اور بہت خوب کہا ہے اُسپر خوب غور کیجئے۔

آدمی زادہ طرفہ معجونی ست　　از فرشتہ سرشتہ وز حیوان
گر کند میل این شود بہ ازین　　در کند میل آن شود بہ از آن

اس جگہہ لفظ فرشتہ سے مراد فرستہ یعنے فرستادہ ہے جو خدا سے بھیجا گیا یا پیدا ہوا ہے یعنے روح جسے خدا نے انسان میں پھونکا کہ اس خاکی بدن میں کچھ عرصہ تک رہے اور کچھ خاص کام کرے۔ لفظ سرشتہ جو سرشتن مصدر سے ہے اس میل ملاپ کا بیان کرتا ہے۔ جو اُس فرشتہ کو روح حیوانی سے ہوا ہے گویا اُسکے ساتھہ گوندھا گیا ہے۔ اور اس ترکیب سے جو پیدا ہوا ہے وہی آدمی زادہ ہے اُسمیں دو میلان صاف نظر آتے ہیں جنمیں تحت

مخالفت ہے (گلاتی ۵-۱۷) جسم کی خواہش روح کے مخالف ہے اور روح کی خواہش جسم کے مخالف ہے اور اس مرکب شخص کا اپنا اختیار ہے جدھر چاہے زیادہ متوجہ ہو وہ کسی تقدیر کا مجبور نہیں ہے - اگر وہ حیوانیت کی طرف مایل ہوتا ہے جیسے کسب نفس پرور اور عیاش اور دنیا کے مغلوب لوگ ہیں تو حیوان سے زیادہ ذلیل اور خوار ہے کیونکہ حیوان سے زیادہ عزت دار چیز اُسمیں تھی یعنے روح اور اگر وہ فرشتہ کیطرف مایل ہوتا ہے یعنے روحانی خواہشوں کیطرف متوجہ ہوتا ہے تو دیگر آسمانی فرشتوں سے زیادہ رتبہ پاتا ہے کیونکہ اُسنے وہ بہادری کی جو اور فرشتوں نے نہیں کی ہے اُنمیں کچھ حیوانیت نہ تھی اسمیں تھی پھر بھی یہہ غالب آیا اور بہادر نکلا - اب ناظرین سوچیں کہ یہہ بیان سچ ہے یا نہیں اگر سچ ہے تو فکر کرو کہ اپ لوگ کیسے ہیں آپکے مزاج شریف کس طرف مایل ہیں آپ حیوان سے بدتر ہیں یا فرشتوں سے اچھے ہیں مرنے سے پہلے ابھی فیصلہ کر لیجئے -

یاد رہے کہ مقربان درگاہ الہی کی یہی شناخت ہے کہ اُنکی سفلیت پر اُنکی علویت غالب آتی ہے اور بُرے آدمی اسی لئے بُرے ہیں کہ وہ سفلیت کے مغلوب ہیں علویت کیطرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ ایسے خیالوں کو ٹھٹھہ میں اُڑاتے ہیں -

سفلیت اُسوقت غالب آتی ہے جب آدمی اپنی روحانی قوتوں اور خواہشوں کا کام چھوڑ دیتا ہے اور سفلی قوتوں اور خواہشوں کو کام میں لاتا ہے اگر کوئی چاہے کہ میں اپنی سفلیت پر غالب آوں تو چاہیے کہ وہ اپنی ساری طاقت سے اس بارہ میں ساعی ہو اور خدا سے مدد مانگو

وہ اُسے طاقت بخشے گا۔

## دفعہ ۱۶ نفس ناطقہ میں کچھ علوی کرنیں چمکتی ہیں

اس شاعر نے نفس ناطقہ کو فرشتہ بتلایا ہے۔ حکماء اُسے فطری نور کہتے ہیں کلام اللہ میں اُسکو زندگی کا دم کہا گیا ہے۔ لیکن بعضے آدمی جو بے ایمان ہیں اُسکو ترکیب امتزاجی کی کیفیت کا حاصل بتلاتے ہیں یہہ خیال ذلیل ہے اور بے فکری کا خیال ہے یا غلط مقدمات کا غلط نتیجہ ہے اور آدمی کی زندگی کے دایرہ کو خراب کر ڈالتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ نفس ناطقہ ترکیب امتزاجی کا حاصل ہے اُنکی دلیلیں یہہ ہیں کہ ترکیب امتزاجی کی بربادی کے ساتھ نفس ناطقہ بھی برباد ہو جاتا ہے۔ اور کہ جسمانی قوت کی ترقی سے اُسمیں ترقی اور تنزل سے تنزل ہوتا ہے اسلئے ترکیب مذکورہ کا حاصل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کوئی مرکب شے اپنی اجزاء کی کیفیت سے الگ کوئی صفت پیدا نہیں کر سکتی ہے ترکیب امتزاجی کے اجزاء عناصر ہیں اور عناصر میں ادراک و ارادہ کی استعداد ہی نہیں ہے۔ پس جو چیز اجزاء میں مطلق نہیں ہے وہ ترکیب میں کہاں سے نکل آسکتی ہے روح حیوانی یا جان ضرور ترکیب عناصر کا حاصل ہے تو بھی تبلاؤ کہ اُسمیں حاسّی اور تحرک کونسی جز کی خاصیت ہے وہ تو ایک روشنی سے ہے جو خارج سے اُسمیں آئی ہے اسیطرح روح انسانی کی نہ بعض بلکہ تمام خصلتیں ایسی ہیں کہ مادہ سے کچھ بھی لگاؤ نہیں دکھلاتیں۔ البتہ انسان کی مزاج میں اجزاء مادہ کی تاثیرات دکھلائی دیتی ہیں۔ لیکن

نفس ناطقہ میں کچھ اور ہی معاملہ نظر آتا ہے خیالات ذیل پر غور کیجئے۔
(۱) مدارج اور مناصب علیا کے حاصل کرنے کی ایک خاص استعداد سب آدمیوں کی روحوں میں موجود ہے جس سے بعض آدمیوں نے حسب کوشش ہر ہر کام میں تعجب کی لایق ترقی بھی دکھلائی ہے ایسی استعداد نہ کسی ارضی مخلوق میں ہے نہ روح حیوانی میں ہے نہ مادہ کے مناسب ہے پھر یہہ استعداد نفس ناطقہ میں کہاں سے ہے اب اِس استعداد کی بنیاد یا تو مادہ میں سے نکالو یا مان لو کہ نفس ناطقہ کسی غیر جہان کا شخص ہے۔
(۲) سب حیوانوں کیطرف دیکھو صرف سفلی اور جسمانی صفات انہیں میں ہاں اتنی بات اُنمیں ہے کہ حساسی اور متحرک اور کسیقدر معیشت کا ناقص سا شعور رکھتے ہیں اور میں اسکو بھی بالائی چمک کہتا ہوں باقی تمام صفتیں جو انکی جانوں میں ہیں سفلی ہیں کیونکہ اُنمیں صرف وہی جان ہے جو ترکیب امتزاجی سے پیدا ہوئی ہے اور یہہ ترکیب مادہ سے ہے اور مادہ اپنی تاثیریں مسلمہ اُنمیں دکھلا رہا ہے لیکن انسانی روح میں علویت کی خواہش کہاں سے ہے۔
(۳) حیوانات کی جانوں میں جو خواہشیں ہیں وہ سب اسی زمین کی چیزوں سے پوری ہو جاتی ہیں اور تکمیل پاتی ہیں اور جانور اپنی خوشی اسی جہان میں پوری کر لیتے ہیں لیکن انسان کی روح میں جو خواہشیں ہیں وہ اس جہان کی چیزوں سے آسودہ اور مکمل نہیں ہو سکتی ہیں اِسکا یہی سبب ہو سکتا ہے کہ نفس ناطقہ عالم بالا کا شخص ہے اور اپنے دیس کی چیزوں سے جو اُسکی طبع کے مناسب ہیں وہ آسودہ اور خوش ہوتا ہے کیونکہ ہر چیز کا میلان اُسکے کرہ کی طرف ہوتا ہے۔

مثلاً آدمی کی روح ابدی بقا اور حقیقی خوشی کی یقیناً طالب ہے اور
یہہ دونوں چیزیں یعنے ابدیت اور حقیقی خوشی اِس دنیا میں کہاں ہیں
ہم تو سب مرنے والے ہیں نہ آگے کوئی رہا ہے نہ ہم رہیں گے پھر وہ ابدی
بقا کہاں ہے جسکی یہہ روح طالب ہے اور یہاں جو خوشی ہے وہ فانی
اور تلخی آمیز ہے پس حقیقی خوشی دنیا میں کہاں ہے جسکی طالب روح ہے
پھر فرمائے کہ روح انسانی کے درمیان اِن دونو چیزوں کی اُمنگ
کیونکر پیدا ہوگئی ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ انسانی روح دیوانی ہے یا اُسے
وہم ہوگیا ہے کیونکہ یہہ امنگ اُسمیں طبعی ہے نہ عارضی اِسلئے ہم کہتے ہیں
کہ وہ علوی ہے اور عالم بالا میں حقیقی خوشی اور ابدیت کے وجود کی خبر ہماری
تمیز ہی ہمیں دیتی ہے۔ پس روح وہ چیزیں مانگتی ہے جو دنیا میں نہیں ہیں
لیکن اللہ میں ہیں اور اسکا سبب یہی ہے کہ روح انسانی اللہ کیطرف سے
ہے مادہ سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ ناظرین بہت فکر کریں اور گمراہوں
نفس پروروں کی واہیات باتوں میں پھنسکے اپنی روحوں کو برباد نہ کریں
(۴) عام اور خاص آدمیوں میں سے اُن آدمیوں کی روحیں جنہیں اِس
جہان کے غبار نے دباکے بالکل اندھا نہیں کردیا ہے بلکہ اُنکی آنکھیں
کچھہ ٹمٹماتی ہیں وہ سب اپنے ضروری فائدہ کیلئے بوسیلہ نیک اعمال
کے یا ریاضت بدنی اور ایمان و اعتقاد کے کچھہ ثواب جمع کرتے ہیں
ہندو مسلمان یہودی اور عیسائی وغیرہ تمام اہل مذاہب کچھہ کرتے ہیں اور
یہہ بحث جدا ہے کہ کون مناسب اور کون نامناسب مشقت کھینچتا ہے
لیکن کچھہ نہ کچھہ مشقت یہہ سب کھینچتے ہیں اِس امید پر کہ بعد انتقال خدا
سے کچھہ پائینگے اور کیا پائینگے وہی ابدی بقا اور خوشی مانگتے ہیں۔

لامذہبوں تعلیم یافتوں کی اخلاقی و تہذیبی کوششیں بہی کچہ ایسے ہی مطلب بیمعلوم ہوتی ہیں۔ کیوں ان سب کی روحیں آیندہ دکہوں سے تہرتہراتی ہیں کیوں ان روحوں میں ایسا یقین ہے کہ بعد فنا اِس ترکیب بدنی کے ہم باقی رہیں گے اور وہ کیوں کسی نہ کسی وسیلہ سے چہٹکارہ اور آرام کے امیدوار ہیں سب حیوانوں کی ایسی کیفیت کیوں نہیں ہے صرف آدمیوں ہی کی ایسی کیفیت کیوں ہے اِسی لئے کہ حیوانی روح فانی اور مادہ کی ترکیب سے ہے اور اسمیں ادراک نہیں۔ انسانی روح غیرفانی اور عالم بالا سے ہے اور اسمیں ادراک ہے اور وہ اِس جہان میں آپ کو مسافر سمجہتی ہے اور بعد انتقال آپ کو شے باقی جانتی ہے اور جہاں جاکے باقی رہنا ہے اُسے اپنا گہر اور دیس سمجہتی ہے اور یہہ روح کا خیال طبعی ہے اور درست ہے۔

## دفعہ ۱۷ ایک فایدہ ہے یاد رکہنے کی لایق

چند آدمی سقیم الارواح۔ یا مغلوب دنیا۔ یا بہایم سیرت۔ یا وہمی لوگ یا کج فہم۔ یا بے ایمان کہ بے راہہ روی کرکے ناامیدی اور نادانی کی غار میں جا پڑے ہیں۔ اگرچہ وہ بظاہر خوش پوشاک اور خوش خوراک بلکہ خوش اخلاق اور تعلیم یافتہ اور صاحب مدارج کیوں نہوں لیکن اُنکے دلوں اور خیالوں کی وہی کیفیت ہے جو اوپر کے سخت لفظوں میں پردہ ہٹاکے میں نے سنائی یا دکہائی ہے (اگر مرضی ہو تو غور کرکے اُنکی طرف تاکنا کہ وہ ایسے ہی ہیں یا نہیں) اسی لوگوں نے آیندہ کی امید کو اپنے دلوں اور خیالوں میں سے زبردستی کہینچ کہینچ کر نکالا ہے اور حیوانوں کے ساتہہ اِسی جہان میں برباد ہونے کے شوقین ہوگئے ہیں۔ اِنکی روحوں میں کیفیت مذکورہ بالا کا ہونا

دفعہ ۱۷

روح انسانی کی فطری حالت کا بیان نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اُنمیں کسبی
انحطاط کا ظہور ہے اور روح کی فطری کیفیت وہی ہے جو جمِ غفیر کی روحوں
میں پائی جاتی ہے۔

اور میں اسبات پر بھی توجہ نہیں کرتا جو وہ لوگ کہتے ہیں کہ وحشی آدمیوں
کی روحوں میں ایسی علوی گرمیں کیوں نہیں چمکتی ہیں جیسی تم مذہبی تعلیم یافتوں
کی روحوں میں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہاں کچھ تو ہی جو بہت غور سے نظر آتا ہے
مگر آپ لوگ علمی روشنی اور اسایش کے ملکوں اور مکانوں میں آرام سے
بیٹھے ہوئے اُن وحشیوں کے حق میں دور سے جو چاہتے ہو سو کہتے ہو ذرا
اُنکے نزدیک جانا اور اُنکے محاورات و دستورات میں مشق کرکے اُنکی کیفیت
سے آگاہ ہونا جیسے ہمارے بھائی مشنری لوگ کرتے ہیں تب معلوم ہوگا کہ اُنکی
روحوں میں بھی ایسی ہی استعداد اور طلب ہے۔

اور یہہ کہنا کہ ہماری روحوں کی ایسی کیفیت تعلیم کے سبب سے ہے نہ
روح کی طبع کے اِسلئے جائز نہیں ہے کہ تعلیمی دستور صانع نے انسان کی
فطرت میں رکھا ہے اگر آدمی کا بچہ تعلیم نہ پاوے تو وہ کچھ نہیں سیکھتا۔
پیدا ہونے ہی بچہ کی تعلیم والدین سے شروع ہوتی ہے وہ سکھلاتے ہیں
کہ دودھ یوں پینا چاہئے اور کہ یہہ باپ ہے یہہ ماں ہے وغیرہ وغیرہ یہانتک
کہ والدہ کی چھاتیوں سے شروع کرکے بڑھاپے کی موت تک انسان سیکھتا
اور تعلیم پاتا رہتا ہے یہاں تک کہ مرجاتا ہے اور تعلیم تمام نہیں ہوتی ہے
پس تعلیم انسان کیلئے کوئی عارضی امر نہیں ہے بلکہ اُسکے کمال کا طریقہ اور
امر فطری ہے جو کوئی تعلیم سے محروم ہے خواہ وحشی ہو یا شہری وہ اپنے کمال
کے طریق سے گرا ہوا ہے پس اُسکی روح کیطرف دیکھکے ہم ایسا حکم نہیں دیسکتے

کہ خصائص مذکورہ امور فطری نہیں ہیں کیونکہ ایسا قیاس غلط ہے ہمکو چاہیے کہ انسان کامل کیطرف دیکھیں اور وہاں سے روح کی شان دریافت کریں نہ کہ بچوں اور وحشیوں اور سقیم الارواح ملحدوں اور بدتعلیم یافتوں اور احمق جاہلوں دیہاتیوں جوگیوں وغیرہ کی طرف دیکھ کے نیچے گریں۔

ہم تو ترقی کرتے چلے آتے ہیں اور اور بھی زیادہ ترقی کرینگے تعلیم کو فطری طریقہ سمجھیں گے اور سب تعلیموں میں غور کرکے عمدہ تعلیم کے پابند ہوں گے اور اس طریقہ سے صیقل شدہ ارواح میں روحوں کے جوہر دریافت کرینگے اور کہینگے کہ تمام ارواح بنی آدم میں ایسے ایسے جوہر ہیں جو علویت دکھلاتے ہیں اور یوں انسان کی روح کا علوی جوہر ہونا ثابت ہے۔

دیکھو درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ اچھا اور مفید درخت ہے یا بُرا اور مضر۔ لیکن کچے اور ہوا سے ٹوٹے اور گرکے سوکھے پھلوں سے ہم پوری شناخت درخت کی حاصل نہیں کرسکتے ہیں بلکہ کامل اور پختہ پھلوں سے جو مناسب وقت پر درخت سے اترتے ہیں درخت پہچانا جاتا ہے۔ پس روح انسانی کے جوہر کامل آدمیوں میں دیکھنا چاہیے وحشیوں اور شریروں اور بچوں میں جو ناکامل ہیں اور درخت انسانیت کے کچے یا گرے اور سوکھے پھل ہیں کیا دریافت کرسکتے ہو تو بھی جو کچھ انمیں نظر آتا ہے وہی ہمارے مطلب پر مفید ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ ملحدوں کے بہکانے سے گمراہ نہوں مگر خود کامل ہونے کی کوشش کریں اور کامل شخصوں کیطرف دیکھیں

## دفعہ ۱۸ انسانی حواس عشرہ کے بیان میں

حواس جمع ہے حاسّہ کی اُسکے معنے ہیں دریافت کرنے کی قوت انسان

ہیں پانچ حواس ظاہری صاف نظر آتے ہیں لیکن حکیم کہتے ہیں کہ پانچ حواس باطنی بھی ہیں قدیم محمدی ان پانچ حواس باطنی کے قایل نہیں ہیں لیکن ہم اگر اُنکے بھی قایل ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ پس میں اس مقام پر ظاہری اور باطنی حواس کو ملاکے دس حواس کا ذکر کرتا ہوں۔ انسانی روح بوسیلہ ان حواس عشرہ کے اِس جہان کی چیزوں کو دریافت کیا کرتی ہے اور جو کچھ دریافت کرتی ہے بموجب اُسکے تجویزیں اور ارادے اور بندولبست باندھتی ہے اور اپنے بدنی اعضا کو ہلاتی اور کام بھی کرتی ہے۔ حواس خمسہ ظاہری یہہ ہیں قوت لامسہ قوت باصرہ قوت سامعہ قوت ذائقہ قوت شامہ۔

**قوت لامسہ کا بیان۔** لمس کے معنے ہیں چھونا۔ پس چھوکے دریافت کرنے کی قوت کو لامسہ کہتے ہیں۔ یہہ قوت انسان کے سارے بدن میں ہے کوئی چیز انسان کو کسی جگہہ سے چھوئے یا انسان کا کوئی عضو کسی چیز کو چھوئے روح کو معلوم ہوجاتا ہے کہ کسی نے مجھے چھوا اور یہہ کہ وہ چیز سخت ہے یا نرم سرد ہے یا گرم نوکدار ہے یا مسطح۔ اگرچہ یہہ قوت سارے بدن میں ہے لیکن ہاتھوں میں خصوصاً انگلیوں کے سروں میں زیادہ ہے اسی لئے حکیم انگلیوں کے سروں سے نبض کو دیکھتا ہے اور سردی گرمی سستی وسرعت نبض کی معلوم کرلیتا ہے اگر یہہ قوت اللہ تعالے نے ہمارے سارے بدن میں نہ رکھا تو ہم مُضر چیزوں کے صدمات سے کیونکر بچتے روح کو خبر بھی نہوتی اور بدن کہیں سردی یا آگ میں تلف ہوجاتا پس اِس قوت کے لئے خدا کے شکر گذار ہو یا نہیں۔

لمس کے وسیلہ سے جب روح کو کچھ خبر ملتی ہے تب وہ فوراً بدن کو حرکت دیتی اور اس شے کی طرف متوجہ ہو کے پہلے آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہے

کر وہ کیا ہے پھر جو مناسب سمجھتی ہے سو کرتی ہے -

**قوت باصرہ کا بیان** - یہہ دیکھنے والی قوت ہے اور صرف ان دو آنکھوں میں ہے اور بدن کے کسی ٹکڑے میں نہیں ہے آنکھہ میں خدا کی تجویز سے ایک تروتازہ شیشہ سا ہے جسکے نیچے صاف پانی کا ایک چشمہ سا ہے رونے کے وقت آنسو اُسی چشمہ سے بہتے ہیں - اور اس پانی سے وہ شیشہ یا پردہ تروتازہ رہتا ہے اِس پردہ کی حفاظت اور روشنی کی کمی بیشی کے لئے پلکیں ہیں -

ہر پیش آیندہ شے کی تصویر بطور عکس کے اِس پردہ یا شیشہ میں منقش ہوتی ہے اُسکے آگے دماغ میں ایک نقطہ ہے اور وہ نقطہ انسانی روح اور اِس شیشہ کے ساتھہ ایک خاص نسبت میں واقع ہے پس روح انسانی بوسیلہ اُس نقطہ کے اُس عکس منقوش کو صاف دیکھہ لیا کرتی ہے -

تمام چیزیں جو تم دیکھتے ہو وہ چیزیں تو نہیں دیکھتے ہو مگر اُنکے عکوس دیکھتے ہو - روح شے لطیف ہے اور عکوس ہی جو نظروں میں آتے ہیں لطیف ہیں - خدا تعالےٰ سب کثیف اور بڑی بڑی چیزوں کو لطیف شکل میں لا کے اس لطیف روح کو دکھلاتا ہے دیکھو اللہ تعالےٰ کی حکمت -

جب دور کی چیز دیکھنا ہے تو روح انسانی آنکھہ کا منہہ زیادہ کھولتی ہے اور زیادہ تر خارجی روشنی کی طالب ہے - اگر نزدیک کی چیز دیکھنا ہے تو آنکھہ کا مُنہہ کچھہ تنگ کرتا ہے اور اسی حساب پر لوگوں نے دوربین اور خوردبین بنائی ہیں جنکے شیشوں میں چیزوں کے عکس پڑتے اور بوسیلہ آنکھہ کے اُن عکسوں کے عکس روح کو نظر آتے ہیں - اگر آدمی اس

چیز ہے جو بوسیلہ آنکھ کے معلوم ہوئی ہے واقف تھا تو اُسے پہچان لیتا ہے کہ وہ فلاں چیز ہے ورنہ اور زیادہ دریافت کے درپے ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے۔

قوت سامعہ کا بیان۔ یہہ سُننے کی طاقت ہے اور صرف دو کانوں میں ہے اور کہیں نہیں۔ اور بغیر خارجی آواز کے سُن ہی نہیں سکتے کان سلامت ہوں اور آواز بھی کہیں سے آوے تب سُن سکتے ہیں۔ آواز خواہ دہیمی ہو یا بلند مگر کچھہ آواز ہو اور آواز بھی بامعنے معلومہ ہو ورنہ صرف ایک کھڑکا سا کان میں پہونچے گا اور روح اُسکا مطلب نہ سمجھے گی۔ جانوروں کی آوازیں اور ہوا کے سناٹے اور بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک اور چیزوں کے ٹکرانے کے کھڑکے اور اجنبی زبانوں کے الفاظ سُننے سے روح کو کچھہ مطلب معلوم نہیں ہوتا صرف آوازیں پہونچتی ہیں۔

عربی میں لفظ کے معنے ہیں پہنکنا۔ جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے بات کرنا چاہتا ہے تو اپنے دل کا مطلب کلمات معلومہ میں لپیٹ کے بوسیلہ اپنی زبان کے ہوا میں مخاطب کیطرف پہنکتا ہے۔

اور دیکھتے ہو کہ جیسے پانی کے تالاب میں پتھر مارنے سے ایک حلقہ سا بندہ جاتا ہے اسیطرح اس ہوا کے سمندر میں جو ہمارے چار طرف بہرا ہے جو کلمہ یا لفظ روح سے بوسیلہ زبان کے پہنکا جاتا ہے وہ ہوا میں ایک حلقہ یا دائرہ پیدا کرتا ہے اور حلقہ صدمہ کی طاقت کے موافق بندہتا ہے جسقدر لوگ کانوں والے اور اُن الفاظ کے سمجھنے والے اس حلقہ کے درمیان ہوتے ہیں وہ سب سُن اور سمجھہ لیتے ہیں۔

اور سُننے کا طور یہہ ہے کہ یہہ دو کان مثل دو پنکھوں کے ہیں جو ہوا کی جنبش کو جمع کر لیتے ہیں یا روک لیتے ہیں اور اُنکے آگے ایک سوراخ ہے

جسکے سرے پر ایک جِلّی سی ہے اسی کو کان کا پردہ کہتے ہیں اور یہہ پردہ ایسا کسا ہوا ہے جیسے ڈھولک کا چمڑا کسا ہوا ہوتا ہے پس ان پنکھوں کی جمع کی ہوئے یا روکی ہوئی جنبش اُس ڈھولک میں جاکے بجتی ہے اور وہ پردہ اُسکے صدمہ سے ہلتا ہے اُسکے آگے ایک زنجیری ہے اور وہ زنجیر اُس جنبش کو مغز کے اندر پہونچا دیتی ہے وہاں سے نفس ناطقہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص نے یوں کہا ہے پس میں پوچھتا ہوں کہ خالق کی اس حکمت پر فکر کرکے اُسے سجدہ کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔

**قوت ذائقہ کا بیان** - یہہ چکھنے کی قوت ہے صرف زبان میں اللہ نے رکھی ہے جب کوئی چیز زبان پر آتی ہے اور اُسکے اجزا تھوک میں کسیقدر گھلتے ہیں تو اس حس کے وسیلے سے اُس شئے کا مزہ روح کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس مزہ کی ہے۔

زبان سے تین کام نکلتے ہیں مزے چکھتی ہے۔ بولتی ہے اور دانتوں سے چبائی ہوئی غذا کو ٹٹول کے معدہ میں اُترنے کی اجازت روح سے دلواتی ہے اور یہہ زبان بڑی پھرتیلی ہے جلد جلد کام کرتی ہے۔

**قوت شامہ کا بیان** - یہہ سونگھنے کی قوت ہے اور صرف ناک میں ہے جب کسی چیز کے لطیف اجزا بوسیلہ ہوا کے اُڑکے ناک میں آتے ہیں یا آدمی کسی چیز کو ناک کے پاس لاکے بوسیلہ ہوا کے اوپر کیطرف دم کھینچ کے اُس چیز کے اجزا لطیف کو ناک میں چڑھاتا ہے تب اُس چیز کی خوشبو یا بدبو بوسیلہ اس حس کے روح کو معلوم ہو جاتی ہے یہہ حواس خمسہ ظاہری ہیں اور اُنکے کام بھی خاص خاص ہیں۔ حکیم کہتے ہیں کہ پانچ حواس باطنی اور بھی ہیں اور وہ ان حواس ظاہری سے دریافت شدہ امور میں اپنا اپنا

کام کیا کرتے ہیں اُنکے نام یہہ ہیں۔ حسِ مشترک۔خیال۔ وہم۔قوت متصرفہ قوت حافظہ۔

**حسّ مشترک کا بیان۔** حکما کہتے ہیں کہ انسان کے دماغ میں تین خانے یا تین بطن ہیں اور اُن کو بطن اول وبطن دوم وبطن سیوم کہتے ہیں اور ہر بطن میں دو مقام بتلاتے ہیں اور اِنکو درجہ اول درجہ دوم کہتے ہیں حسّ مشترک ایک قوت ہے دماغ کے بطن اول کے پہلے درجہ میں اُسکو حسّ اِسلئے کہتے ہیں کہ وہ ایک قوت حاسہ ہے اور مشترک اِسلئے کہتے ہیں کہ وہ حواس خمسہ ظاہری اور نفس ناطقہ کے درمیان ہے دونو طرف اسکا علاقہ ہے جو کچھ حواس ظاہری دریافت کرتے ہیں اولاً اسی حسّ کے سامنے آتا ہے اور یہی حسّ روح کو خبر دیتی ہے۔

**خیال کا بیان۔** خیال کے لفظی معنے ہیں پندار واآنچہ درخواب دیدہ شود ویا دربیداری تخیل کردہ اید وآنچہ درآئینہ دیدہ شود۔ لیکن یہاں خیال سے مراد قوت متخیلہ ہے اور وہ ایک قوت ہے بطن اول کے درجہ دوم میں۔ جو کچھ حسّ مشترک کو بوسیلہ حواس کے معلوم ہوتا ہے یہہ قوت اس معلوم کے تصور کو اپنے اندر کچھ عرصہ تک محفوظ رکھتی ہے

**وہم کا بیان۔** وہم کے معنے ہیں آنچہ در دل گذرد۔ یا رفتن دل بسوئے چیزے بے قصد آں۔ لیکن یہاں مراد وہم سے قوت واہمہ ہے اور یہہ قوت بطن دوم کے آخر میں ہے اور اسکا یہہ کام ہے کہ اپنے اندر تصورات کی تصویریں کھینچا کرتی ہے خواہ غلط ہوں یا صحیح۔

حواس خمسہ ظاہری سے دریافت ہوکے بوسیلہ حس مشترک کے جو کچھ خیال میں کہ وہ حسّ مشترک کا مخزن ہے پہونچا کرتا ہے یہہ قوت واہمہ

اُسے دیکھ کے شک شبہ اور جو جو کچھ چاہتی ہے اپنی وہمی عمارتیں بنانا شروع کرتی ہے اور کبھی کسی دلی خواہش پر خواہ وہ خواہش نیک ہو یا بد بنیاد قایم کرکے اپنی وہمی عمارت کا ایک محل سا بنا کھڑا کرتی ہے اسکا میدان بہت فراخ ہے - وہ لوگ جو اپنے دل ہی دل میں باتوں کا سلسلہ باندھا کرتے ہیں وہاں یہی قوت کام کیا کرتی ہے - کتاب الف لیلا اور سب ز٘ٹلی مضمون جو دنیا میں ہیں اسی قوت کی تصنیف سے ہیں ساری بے ایمانی کی جڑ یہی قوت ہے یہہ قوت نہ خدا کے تابع ہوتی ہے نہ عقل کے یہہ رات دن بھٹکتی رہتی ہے جب تک کہ انسان کی روح اسکو دھمکا کے چُپ نہ کرائے یہہ چُپ نہیں کرتی ہے سارے وسوسے اور شکوک اور خوف اور سب جھوٹے مذہب اور تمام بھوتوں اور جادو ٹونوں کے واہیات خیال اسی سے نکلے ہیں اسی نے بعض آدمیوں کو دہریا بعض کو ہمہ اوست بولنے والا بنایا ہے اور قسم قسم کے واہیات اسنے آدمیوں کے خیالوں میں بھر رکھے ہیں

بعض صاحب علم آدمی کہتے ہیں کہ ایمانی عقاید کے بارہ میں جیسے جاہلوں کے یقین واثق نظر آتے ہیں ہمارے ایسے یقین نہیں ہوتے ہیں - اسکا سبب میں یہی جانتا ہوں کہ ان لوگوں نے اِس قوت واہمہ کی بہت اطاعت کی ہے اور آپکو اسکے تابع کردیا ہے اِسلیے شک میں شک اُنکے دلوں میں چلے آتے ہیں اگر چاہو اونسے کلام کرکے دیکھہ لو کہ وہم پر وہم وہ اگلتے ہیں - افسوس ہے کہ آدمی آپ کو اس قوت کی تابع کرے جو کہ نہ خدا کے اور نہ عقل کے تابع ہوسکتی ہے اور پھر وہ آدمی یوں بھی کہے کہ میں سچا محقق ہوں -

ہاں یہہ قوت کچھ مفید بھی ہے اگر اسکو ایک حد میں کام کرنے دیں تاکہ ہم دھوکھا نہ کہائیں جو شکوک یہہ پیش کرے اُن پر فکر کیا جائے نہ یہہ کہ اوسے مطلق العنان کرکے ہم خود اُسکے پیچھے ہولیں پھر وہ تو کبھی کسی بات پر بھی قایم

انہوں نے دیکھی ہیشہ کبھی گی شاید یوں نہ ہو یوں ہو پھر بھی یوں نا ہو یوں ہو۔ یہہ قوت حیوانات میں زیادہ ہے اِسلیئے کہ یہہ خاص روح حیوانی کی قوتوں میں سے ہے نفس ناطقہ کی یہہ قوت نہیں ہے نفس ناطقہ کی خدمت میں تو ہی پر خود حیوانی صفت ہے نہ ملکی۔ بعض وقت اِسکے کام سے فائدہ بھی ہوتا ہے پس چاہیے کہ ہر آدمی یہہ باتیں سُنکے ہوشیار ہو جاوے کیونکہ اِس قوت نے بہتوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اگر اُسکو قابو میں نہ رکھا جاوے تو وہ بعض صداقتوں کو بھی ماننے نہ دیوے گی جب یہہ قوت زیادہ ترقی دکھلاوے اُسکو دھمکانا چاہیے صرف دھمکی سے اسکا منہہ بند ہوتا ہے اور ہم اِسکا کان پکڑکے اِسکو خدا کے اور عقل کے تابع کرتے ہیں اور جب یہہ بیہودہ بکتی ہے تو ہم کہتے ہیں چپ رہ مت بک ہم آپ کو اسکے حوالہ ہرگز نہیں کرتے ہیں بلکہ اسکو اپنی تابع میں رکھتے ہیں۔

قوت متصرفہ کا بیان۔ یہہ وہ قوت ہے جو خیالات میں اُلٹ پلٹ کرکے نتیجے نکالا کرتی ہے۔ بطن دوم کے درجہ اول میں ہے یہہ نہایت خوب چیز ہے اور یہہ حیوانی قوت نہیں ہے بلکہ نفس ناطقہ کی قوت ہے اِسکی بہت پرورش چاہیے۔ اسکا کام یہہ ہے کہ بعض حاصل شدہ شکلوں کو بعض مطالب کے ساتھ مرکب کرکے اور اُن سے نتیجے نکال کے کہا کرتی ہے کہ اِن شکلوں کا مقصد اور مطلب مجھے یوں معلوم ہوتا ہے سو میں نفس ناطقہ کے سامنے پیش کرتی ہوں فتوی دینا اُسکا کام ہے پس یہہ قوت نفس ناطقہ کے لئے صلاح کار اور مشیر سا ہے تجویزیں اِس سے ہوتی ہیں اور حکم نفس ناطقہ سے ملتا ہے اور کبھی کبھی نفس ناطقہ اسکی تجویزوں میں بھی مرمت کرتا ہے اِس قوت کے دو نام ہیں کیونکہ دو طرح کے کام اِس سے ہوتے ہیں جبکہ

یہہ قوت معلومات کی ترکیب میں نفس ناطقہ کے ساتھہ ملکے کام کرتی ہے۔
تب اسکا نام قوت متفکرہ ہوتا ہے اور یہہ اسکا کام اعلےٰ درجہ کا کام ہے لیکن
جب یہہ اپنا کام قوت واہمہ کے ساتھہ ملکے کرتی ہے اُسوقت اُسکو قوت متخیلہ
کہتے ہیں اور اِسکا کام میں خطرے ہوتے ہیں۔

سب محققوں پر فرض ہے کہ تفکر و تخیل میں امتیاز کیا کریں تاکہ غلطی سے بچیں
تخیلات نے جہان میں بڑا فساد مچا رکھا ہے تفکرات بہت کم نظر آتے ہیں۔

**قوت حافظہ کا بیان**۔ یہہ قوت بطن سیوم کے درجہ اول میں رہتی
ہے اور تصورات خیالیہ اور واقعات کی شکلوں کو یاد رکھتی ہے اور یہی دماغی
دفتر کا آخری مخزن ہے اور یہہ قوت واہمہ کی چیزوں کو بھی رکھہ چھوڑتی ہے
پچاس برس گذرے یا کم زیادہ کہ زید نے عمر کو ایک خاص لباس میں جوان
دیکھا تھا اب عمر بڈھا ہوگئے اور طرح کا ہوگیا لیکن زید کی قوت حافظہ میں
اُسکی وہی پہلی صورت محفوظ ہے علےٰ ہذالقیاس اور اور مثالیں خود سوچ لو
(ف) یہہ پانچ قوتیں جنہیں باطنی حواس کہا گیا انسان میں بچشم غور دیکھا کی
تو دیتی ہیں تو بھی روح ایک شئے ممتاز رہتی ہے۔ اِن قوتوں ہی میں رل مل
نہیں جاتی۔ سب سے زیادہ بلند رتبہ کی قوت قوت متصرفہ ہے اور وہ بھی
اپنے کام میں کبھی واہمہ کی طرف اور کبھی روح کیطرف جھکی ہوئی نظر آیا کرتی
ہے ایسی باتوں سے روح میں اور قوتوں میں امتیاز ہوتا ہے اور روح
سب قوتوں پر حاکم رہتی ہے غور سے اپنی اندرونی کیفیت پر سوچو۔

## دفعہ ۱۹ انسان کے دل کا بیان

دل فارسی لفظ ہے عربی میں اُسکو قلب کہتے ہیں اور یہہ عربی کا

لفظ نہایت خوب اور پُر تعلیم ہے قلب کے معنے ہیں پلٹے کھانا اور الٹ پلٹ ہونا چونکہ انسان کا دل قسم قسم کے اثروں سے الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے اِسلئے اُسکا ایسا نام اچھا ہے اور خدا کو ہی مقلب القلوب اِسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دلوں کو اُلٹ پلٹ کردیا کرتا ہے۔ دوسرے معنے قلب کے ہیں درمیانی جگہہ یا صدر جگہہ اور چونکہ یہہ دل انسان میں گویا صدر جگہہ ہے جہاں سے ارادے اور خواہشیں نکلتی ہیں اِسلئے بھی اسکا نام قلب اچھا ہے

عام اصطلاح میں دل نام ہے اُس گوشت کے ٹکرے کا جسکی شکل صنوبری یا گاجر کیسی ہے اور وہ انسان کے سینہ میں بائیں طرف ہے اور وہ ایک عضو رئیس ہے۔

صوفی کہتے ہیں کہ دل ایک ربانی لطیفہ ہے اُسکا علاقہ اس جسمانی دل کے ساتھہ ایسا ہے جیسا عرضوں اور صفتوں کا علاقہ اجسام اور موصوفات سے ہوتا ہے۔

ایک اور محقق نے کہا ہے کہ حقایق روحانی اور خصایص نفسانی کے درمیان اور حقایق جسمانی و قوائی مزاجی کے درمیان ایک حقیقت ہے جامعہ اُسکو دل کہتے ہیں۔

ایک اور عالم نے کہا کہ دل ایک نورانی جوہر ہے مجرد اور وہ روح حیوانی اور نفس ناطقہ کے درمیان ہے اور اسی سے انسانیت قایم ہوتی ہے گویا یہہ دل ملکیت اور حیوانیت کے درمیان کا مقام ہے جو دونو ماہیتوں سے علاقہ رکھتا ہے۔ یہہ بات تو صاف ہے کہ انسان کے دل ہی سے ساری بدی اور نفسانی و حیوانی خواہشیں نکلتی ہیں اور دل ہی میں سے بہت سی خوبیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں اور یہہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب دل سے خوبیاں نکلتی ہیں تب

اس دل کو نفسانی حیوانی بدخواہشوں سے بڑا جنگ کرنا پڑتا ہے اور جب دل سے بدی آتی ہے تب اُس سے ملکیت کی مخالفت ہوتی ہے اسی سے ظاہر ہے کہ دل درمیان میں ہے ملکیت اور حیوانیت کے اور اسکا علاقہ دونوں طرف ہے۔

کلام اللہ میں انسان کے دل کا بیان بہت ہوا ہے۔ بیبل کے درمیان تخمیناً دوسو آیتیں ہونگی جنمیں دل کا بیان ہوا ہے اور کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں ہے جو دل کا ایسا بیان دکھلا دے جیسا بیبل شریف نے دکھلایا ہے اسکا سبب یہی ہے کہ بیبل خدا سے ہے اور خدا تعالےٰ سب آدمیوں کے دلوں کی کیفیت سے پورا واقف ہے اسکی نگاہ میں سب اولین و آخرین کے دلوں کی کیفیت پوری پوری موجود ہے اسی لئے وہ آدمی کے دل کا بیان اپنی کتاب میں پورا پورا کر سکا ہے۔

خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ہر ایک انسان کی روح اپنے دل کی حفاظت خوب طرح سے کرے کیونکہ جنگ کا مقام وہی ہے اسی جگہ سے فتح یا شکست ہوتی ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ آدمی اپنا اُسکو دے تاکہ وہاں بیٹھ کے وہ اُس پر حکومت کرے اور قابض ہو کے اپنے ساتھ اُسے جہنم میں لیجائے۔ خدا فرماتا ہے کہ تم سب اپنا دل مجھے دو تاکہ میں تمہارے دلوں میں سکونت کروں اور تم میرے ساتھ ہمیشہ خوشی میں رہو۔

اور انسان کی روح کا یہہ اختیار ہے کہ اپنا دل جسکو چاہے دے اور یہہ اختیار اسلئے ہے کہ انسان آزاد پیدا کیا گیا ہے تاکہ اسپر عدالت واجبی ہو سکے قیامت اور عدالت کے دن سے پہلے دوزخی اور بہشتی لوگ اسی طرح سے پہچانے جا سکتے ہیں کہ اُنکے دلوں میں حاکم کون ہے اور کہ وہ کسکی حکومت

تحت میں ہوئے ہیں وہ جنکی حکومت میں ہوئے ہیں اُنہی کے ساتھی اُنہی کے سپاہی اور اسی کی چیزوں کے وارث ہوتے ہیں۔

اب ناظرین اپنے دلوں کیطرف غور کر کے آپ کو پہچانیں کہ وہ کیسے لوگ ہیں۔

بہ نسبت محمدی اہل شرع کے صوفیوں نے دل کا فکر زیادہ کیا ہے اور اُسکے درست کرنے کی کچھ تدبیریں بھی سوچی ہیں میں جب تک بیبل شریف سے روشنی نہ حاصل کی تھی میں بھی صوفیوں کی تدبیروں پر فریفتہ تھا اب مجھے معلوم ہوگیا کہ صوفیوں کی باتیں اگرچہ محمدیوں کی باتوں سے بہتر ہیں مگر فی الحقیقت نکمی ہیں وہ لوگ بعض ریاضتوں اور بعض تصورات اور بعض وظایف کے وسیلہ سے دلوں کو سدھارنے کے درپے رہتے ہیں لیکن یہ چیزیں اِس مرض کی دوا نہیں ہیں۔

دل پاک ہوتا ہے صرف سچی ایمان سے کیونکہ وہ ایمان خدا کی بخشش ہے اور مسیح کی صلیبی موت کی تاثیر سے جو بوسیلہ ایمان کے مومن میں اثر کرتی ہے دل کی بدخواہشیں مردہ سی ہوجاتی ہیں اور مسیح خداوند کی قیامت کی تاثیر سے دل میں ایسی تازگی اور قوت اور روشنی آتی ہے کہ مسیحی مومن بدی پر اور دنیا و نفس و شیطان پر غالب آتا ہے اور فتح پاتا ہے اور خدا کا مقرب ہوجاتا اور دنیاوی دکھہ سکھہ میں خدا کی مرضی کا مطیع ہو کے اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور یہی بڑی نعمت ہے جسکے سب محتاج ہیں۔

## دفعہ ۳۰ – دماغ – جگر – گردوں اور انتڑیوں کا بیان

دماغ - یہ لفظ تین معنوں میں آتا ہے کبھی سر کے اندر کے پردوں کی چربی اور گودے کو دماغ کہتے ہیں اور وہاں کچھ حس نہیں ہے کبھی تمام کھوپری کو دماغ کہتے ہیں اور چونکہ وہاں پٹھے بھی ہیں اسلئے وہاں حس بھی ہے کبھی سارے سر کو دماغ کہتے ہیں - لیکن جب کہا جاتا ہے کہ فلاں بڑے دماغ کا آدمی ہے تب اسکی عقل کی گہرائی اور بڑی رسائی پر اشارہ ہوتا ہے - اور کبھی اُسکے غرور پر اور کبھی اسکی حماقت پر بھی اسی لفظ سے اشارہ کرتے ہیں -

حکیم کہتے ہیں کہ دماغ وُہ عضو رئیس ہے جو کھوپری میں ہے اور اُسکی شکل مثلث مخروطی ہے وہی روح کا محل ہے جہاں وہ رہتی ہے - کان اور آنکھیں زبان اور ناک جو پیشی کے خادم ہیں اسکے بہت ہی نزدیک ہیں صرف ایک قوت لامسہ بطور جاسوسی کے سارے بدن میں چھوڑی ہوئی ہے دیکھو اللہ کی شان -

جگر یعنے کبد دہنے پہلو میں ایک عضو ہے اور وہ بھی عضو رئیس ہے - دل اور دماغ اور جگر یہی تین عضو رئیس کہلاتے ہیں ان کی بہت حفاظت چاہیے کیونکہ جب ان میں سے کسی میں خلل آیا تو پھر آدمی کی زندگی نہیں ہے - جسمانی دلاوری جگر کی قوت پر منحصر سمجھتے ہیں جب کہتے ہیں کہ وہ بڑے جگرے کا آدمی ہے تب اسکی دلاوری پر اشارہ ہوتا ہے -

گردے وہی دو گولے سے ہیں جو جانوروں میں دیکھتے ہو عربی میں واحد کو کلیہ یا کلوہ کہتے ہیں اور دونو کو کلیتین کہا کرتے ہیں (زبور ۷۳ - ۲۱) میں ہے کہ میرے گردوں میں چبک تھی -

انتڑیاں جنہیں عربی میں معا کہتے ہیں جسکی جمع امعا ہے انسان کے پیٹ میں چھہ انتڑیاں بتلاتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ گہرا غم اور بڑی خوشی انتڑیوں تک محسوس ہوتی ہے ( نوحہ یرمیا ۱ - ۲۰ ) میری انتڑیاں اُبلتی ہیں ۔ اُس زمانہ کے لوگ ایسا سمجھتے تھے کہ دل کی پوشیدہ باتیں گردوں میں چھپی رہتی ہیں ۔ اور گہرا غم اور گہری خوشی دل سے آگے بڑہ کے انتڑیوں تک پہونچتی ہے پس یہہ لگے زمانہ کا محاورہ تہا اور اسی محاورہ پہ کلام اللہ میں کہا گیا ہے کہ خدا دل اور گردوں کا جاننے والا ہے ۔ اور کہ غم سے میری انتڑیاں کلپتی ہیں اور کبھی محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ انتڑیاں آسیس دیتی ہیں

## دفعہ ۴۱ غم کے بیان میں

غم ۔ ایک کیفیت ہے ناپسندیدہ جو انسان کے دل پر طاری ہوتی ہے جس سے دل شکست اور چہرہ افسردہ ہو جاتا ہے اور زیادہ غم سے جسمانی قوت میں ضعف آجاتا ہے ( امثال ۱۲ - ۲۵ ) انسان کے دل کا غم اسے جہکا دیتا ہے اور شکستہ خاطر کرتا ہے ( امثال ۱۵ - ۱۳ )

دل کے کمزور آدمی غم کی برداشت نہ کرکے گڑگڑاتے اور واویلا کرتے اور کبھی کبھی حد اعتدال سے باہر ہو جاتے ہیں لیکن بردبار شخص جو صابر اور جفاکش ہیں برداشت کرکے اعتدال میں رہتے ہیں غم کہانے کا ایک وقت ہے ( واعظ ۳ - ۴ ) سب جانتے ہیں کہ انسان کو غم کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں رہتا اگر کوئی آدمی اپنی زندگی کے گذشتہ وقت پر فکر کرے اور سوچے کہ کسقدر وقت غم اور دکھ میں کٹا اور کتنا وقت آرام میں گذرا تو اسے معلوم ہو جائیگا کہ خوشی و آرام کیلئے بہت وقت تہا اور غم کیلئے بہت ہی تہوڑا وقت تہا ۔ لیکن نادانی سے یا مبالغہ سے بعض

آدمی کہا کرتے ہیں کہ میری تو ساری عمر غم میں گذری ہے یہہ ناشکری کی بات ہے اور درست نہیں ہے۔

غم جو کبھی کبھی دلوں میں آجاتا ہے اچھا نمونہ ہے اُس آیندہ دکھہ کی حالت کا جو گناہوں کے وبال کے سبب سے بے ایمانوں اور بدکاروں کا حصہ ہوگا جسے آدمیوں نے ابھی نہیں دیکھا چاہیے کہ ہم سب اِن دنیاوی غموں کی تلخی کو چکھہ کے ہوشیار ہو جائیں اور وہ کام نہ کریں جنکے سبب سے ابدی غموں کے سزاوار ہوتے ہیں۔

لوگ ہنسی خوشی کو بہت پسند کرتے ہیں اور اپنی زندگی کا وقت خوشی میں بسر کرنا چاہتے ہیں بلکہ بعضوں کے تو ہر وقت دانت پسرے ہی رہتے ہیں قہقہے مار مار کر ہنستے اور ایسی ایسی باتیں دل سے نکالتے ہیں جن سے آپ ہی ہنسیں اور دوسروں کو بھی ہنساویں لیکن کلام اللہ میں لکھا ہے (واعظ ۷-۳) غمگینی ہنسی سے بہتر ہے۔ بہت ہنسی سے آدمی کا دل مردہ سا ہو جاتا ہے اور غم دل کو سدہارتا ہے خداوند مسیح نے فرمایا ہے (متی ۵-۴) کہ غمگیں لوگ مبارک ہیں۔ پس غم نشان برکت ہے۔

غم دو قسم پر ہوتا ہے اول دنیا کا غم ہے کہ دنیاوی چیزوں کیلئے اہل دنیا کے دلوں میں موثر ہوتا ہے اور یہہ بہت ہے چار طرف اہل دنیا اسی غم میں مبتلا ہیں۔ کبھی کبھی یہہ دنیاوی غم بھی آدمیوں کو خدا کیطرف کھینچ لاتا ہے لیکن اکثر یہہ غم ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

دوسرا الہی غم ہے جو اپنے اور دوسروں کے گناہوں کی یادگاری سے دلوں میں آتا ہے اور توبہ کی برکت دل میں پیدا کرتا ہے یہی غم مبارک ہے (۲ قرنتی ۷-۱۰)

غم کی بہر اور طرح پر دو قسمیں ہیں بیوقوفی کا غم اور دانشمندی کا غم۔ بیوقوفی کا وہ غم ہے جو قاضی صاحب کو تہا کسی نے پوچھا قاضی جی آپ دُبلے کیوں ہو گئے ہیں فرمایا کہ شہر کے غم نے مجھے دُبلا کر دیا ہے۔ جو باتیں الہی انتظام کے واقعات سے دنیا میں ہوتی ہیں اور یوں ہی ہوا کرینگی جب تک کہ آخرت آوے پس اُنکے لئے بیہودہ واویلا سے کیا فایدہ ہے مثلاً زوال دولت کا غم یا موت احباب کا غم۔ یا بعض رشتہ داروں اور دوستوں کیطرف سے بے مروتی اور بے انصافی اور جفا و دغا دیکہنے کا غم وغیرہ بہت باتیں ایسی ہیں جن سے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ لیکن ایسی چوٹوں کے نیچے دانت پیسا کے گرجانا بیوقوفی ہے کچھہ عقل کو بہی کام میں لانا چاہیے۔

دانشمندی کا وہ غم ہے۔ جسکا ذکر (واعظ ۷-۴) میں ہے کہ حکیم کا دل ماتم کے گہر میں ہے اور احمق کا دل عشرت خانہ سے لگا ہے۔ دانشمند آدمی ہر وقت ہر امر میں انجام بخیر کے لئے دور اندیش اور فکرمند رہتا ہے اور یہہ دور اندیشی و فکرمندی اسکے دل کے لئے گویا ایک ماتم خانہ سا ہوتا ہے اور یہہ ماتم خانہ اچہا ہے۔ بیوقوف آدمی نادان بچوں کی مانند کچھہ دور اندیش نہیں ہے ادنیٰ فانی چیزوں کو پا کے خوش ہوتا اور اُنکے زوال سے بچوں کیطرح چلا چلا کر روتا ہے پس اسکی خوشی اور اسکا غم بیوقوفی کے ساتہہ ہے اور اسکی خوشی اور غم دانشمندی کے ساتہہ ہے اور کامیاب بہی وہی ہوگا۔

بعض غم اور دکھہ انسان کی صحت روحانی کے لئے بہی اللہ تعالےٰ سے جو حقیقی مدبر اور پیارا باپ ہے آیا کرتے ہیں وہ انسان کے حق میں بمنزلہ دوا کے ہوتے ہیں اُنکی تحقیر نہ چاہیے۔

ہر ایک غم اور دُکھ جو انسان پر آتا ہے اگر وہ اُس سے کچھ نصیحت حاصل نہ کرے تو وہ غم فی الحقیقت غم ہے۔ اور جو وہ اُس سے کچھ اصلاح پذیر ہو تو وہ نہ صرف غم ہے بلکہ برکت ہے۔

غم اگرچہ تلخ چیز ہے کیا اُس میں کچھ مزہ ہی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

غم کہاتا ہوں لیکن میری طبیعت نہیں بھرتی۔

کیا غم ہے مزہ کا کہ طبیعت نہیں بھرتی اگرچہ اس شاعر نے دنیاوی غم کی نسبت ایسا کہا ہے لیکن فی الحقیقت الہٰی غم میں مزہ ہے دنیا کے غم میں محض تلخی ہے۔

مسیح خداوند کی صلیبی موت کے وقت عیسائیوں کو بھی بڑا غم اور الم ہوا تہا لیکن بموجب ارشاد مسیح کے اُن کا وہ غم مبدل بخوشی ہو گیا تہا (یوحنا ۱۶:۲) اور وہ خوشی ابتک ہماری روحوں میں برابر چلی آتی ہے اور ابد تک بجلال ہے گی غم اور الم کا وجود تو معدوم نہ ہوگا بلکہ بے ایمانوں کے لئے غم کا سمندر قائم ہوگا اور وہ ابد تک مغموم رہیں گے۔ ہاں سچے مومنین کے لئے غم ایسا معدوم ہوگا کہ وہ پہر اُسکا مُنہہ نہ دیکہیں گے (یشعیاہ ۳۵–۱۰) خداوند کے چہوٹائے ہوئے لوٹیں گے اور صیہون میں گاتے ہوئے آئینگے اور ابدی سرور اُنکے سروں پر ہوگا وہ خوشی اور شادمانی حاصل کرینگے اور غم اور آہ سرد دفع کئے جائینگے (مکاشفات ۲۱–۴) خدا اُنکی آنکہوں سے ہر ایک آنسو پونچہیگا اور پہر موت نہ ہوگی اور نہ غم اور نہ نالہ اور نہ پہر دکھ ہوگا کیونکہ اگلی چیزیں گذر گئیں۔ اسوقت بہی عیسائیوں کے غموں میں غیر عیسائیوں کے غموں کی نسبت بہت فرق ہوتا ہے اِنکے غم ہلکے اور اُنکے غم بہاری ہیں دیکہو کیا لکہا ہے (۱ تسلونیقی ۴–۱۳) تم اوروں کی مانند جو نا امید ہیں غم نہ کرو وہ قوی امید جو عیسائیوں کو مسیح میں ہے اِنکے غموں کا بوجہ ہلکا کر دیتی ہے

نا امید شخص کے لئے کیا آسرا ہے کچھ نہیں پورا بوجھ غم کا اُسے اُٹھانا ہوتا ہے۔ یہہ بھی یاد رہے کہ غم کے وقت ہمیں کیا کرنا چاہیے (یعقوب ۵۔۱۳) اگر کوئی تم میں غمگین ہو وہ دعا مانگے۔ یعنے خدا کی حضور میں جائے اور اپنا بوجھ اُسکے سامنے رکھدے وہاں سے قوت صبر کی اور تسلی حاصل کریگا۔

## دفعہ ۴۴ خوشی کے بیان میں

خوشی ایک شیریں کیفیت ہے جو دل پر آتی ہے۔ سب آدمی رات دن خوشی کی تلاش میں ہیں وحشی بھی اور بچے بھی اور احمق بھی اور دانشمند بھی ایماندار اور بے ایمان بھی سب خوشی چاہتے ہیں۔

لیکن خوشی دو قسم کی ہے فانی اور غیرفانی۔ فانی خوشی فانی چیزوں میں ہے اور فریبی خوشی چند روزہ ہے اور آخرکار یہہ خوشی مبدل بغم ہوجائیگی اور مسلوب ہوگی یہہ خوشی جسمانی خواہشوں کی تکمیل میں ہے کسقدر تو اسکی حاجت دنیا میں انسان کو ہے مگر یہہ نادانی کی بات ہے کہ ہم اُسی کے ہو رہیں دانشمند کی روح اِس خوشی سے کبھی سیر نہیں ہوتی اور نہ ہوسکتی ہے۔ غیرفانی خوشی غیرفانی چیزوں میں ہے خدا کے پاس ہے خدا کی قربت سے حاصل ہوتی ہے روح کا پھل ہے مسیح بخشتا ہے اور اُسکا بیان انجیل شریف میں ہے وہ مومنین کی روحوں میں موثر ہوتی ہے اور مسیح اپنے خاص بندوں کو اِس خوشی سے بھر دیتا ہے۔ فانی خوشی اِس غیرفانی خوشی کے سامنے ایسی حقیر ہوتی ہے کہ خدا کے بندے اسکے لینے کو اُسے چھوڑ دیتے ہیں اور اِن کا ایسا کام بیجا نہیں بلکہ بجا ہے ہاں مناسب طور سے کبھی فانی خوشی کو بھی وہ عمل میں لاتے ہیں مگر اُسے مغلوب بغیرفانی رکھتے ہیں

لیکن وہ دنیادار جو غیر فانی خوشی کیطرف سے اندھے ہیں فانی خوشی کی تلاش اور تکمیل میں تمام زندگی بسر کرکے مرجاتے ہیں اور انکی خوشی اِسی جہان میں فنا ہوجاتی ہے اور اُنکی روحیں بے خوشی کے اُنکے ہوئے ہائے کرتی ہوئی دُکھہ میں چلی جاتی ہیں ناظرین کتاب ہذا کو چاہیے کہ غیر فانی خوشی کو تلاش کریں فانی خوشی پہ فریفتہ ہوکے جُھپنہ کریں

## دفعہ ۲۳　جسم کے بد کاموں کے بیان میں

یہاں جسم سے مراد روح حیوانی ہے کیونکہ وہ جسم کی حد میں داخل ہے روح حیوانی کے کاموں کو خدا کی کلام میں جسم کے کام کہا گیا ہے اور یہہ ظاہر کیا گیا ہے کہ روح حیوانی جب بُرے کام کرتی ہے اور نفس ناطقہ اُسے دبا کے نہیں رکھتا بلکہ اُسکی خواہشوں کا خود مطیع ہو رہتا ہے تو خدا کا غصہ اُس شخص کیطرف ہوتا ہے۔

روح حیوانی ایک فانی چیز ہے وہ بدی کے ساتھہ فنا ہوجائے گی اُسپر کچھہ ملامت نہیں اور نہ اسے ماخذہ میں آنا ہے لیکن روح الٰہی جو باقی اور غیر فانی ہے اور جسمیں ادراک اور تمیز ہے وہ کیوں ایک جانور کی مطیع ہوجاتی ہے اِسلئے وہ آفتوں کی سزاوار ہے۔

اِس بات کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی گھوڑے کا سوار جو انسان ہے گھوڑے کی لگام اپنے ہاتھہ میں نہ رکھے اور اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہیے اُسے نہ لیجائے بلکہ لگام ڈھیلی چھوڑکے آپ گھوڑے کا مطیع ہو کر جدہر چاہے خود گھوڑا اُسے لیجائے تو کیا وہ بچے گا یا خود کشی ہوکے مرگا اور قصور کسکا ہوگا گھوڑے کا یا اُس شخص کا جسنے اِسکے ہاتھہ گھوڑا اچھا

تہا یا خود یہہ حضرت ملامت کی لایق ہوں گے جنہوں نے اُس جانور کو قابو میں نہ رکہا - یہی حال جسمانی بدخواہشوں کی اطاعت سے آدمیوں کی روحوں کا ہو رہا ہے - جسم کی اصولی بدخواہشوں کی فہرست یہہ ہے -

(۱) شہوت - اُس خواہش کا نام ہے جو نر اور مادہ میں میل کی خواہش کہلاتی ہے اصل تو اُسکی خوب ہے کہ تناسل کی غرض سے اللہ نے یہہ قوت جانوروں میں بھی ہے اور انسان میں بھی ہے جب یہہ قوت انسان میں ظاہر ہوتی ہے اُسوقت کو بلوغت کا وقت کہتے ہیں اور جب آدمی بڈہا ہو جاتا ہے اور قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں اُسوقت یہہ قوت بہی منقطع ہو جاتی ہے -

نادان احمق ناتجربہ کار جوان جو نہ خدا سے ڈرتے اور نہ اہل تجربہ بزرگوں کی نصیحتیں سُنتے ہیں وہ اِس قوت میں آکے بہت اُچہلتے ہیں اُسکو دباتے نہیں بلکہ اسمیں مگن ہو جاتے ہیں اور اپنی دیگر قوتوں کو اُسکا مغلوب کرتے ہیں اور ایسا مغلوب کرتے ہیں گویا اُنکے حواس خمسہ پر بہی شہوت چہا جاتی ہے - بُرے گیت گاتے - بُری باتیں خوشی سے سُنتے سُناتے بدصحبتوں کو پسند کرتے اور نفس امارہ کو مزہ دیتے پہرتے ہیں شریر عورتوں کے درپے ہوتے ہیں حرامکاری پر کمر باہندتے ہیں اور سخت بے حیا ہو جاتے ہیں چارطرف تاک جہانک کرتے پہرتے ہیں - گہوڑوں کی طرح ہنہناتے اور کُتوں کی طرح کُتیوں کے درپے پہرتے ہیں آپسمیں لڑتے بہی ہیں بندشیں بہی باندہتے نعرے مارتے فریب دیتے اور فریب کہاتے پہرتے ہیں -

بڑی بڑی آفتیں بہی ان پر آجاتی ہیں اور اُنکی خوب خانہ خرابیاں ہوتی ہیں آتشک کی بیماری اور برص یا کوڑہ اسی سے ہوتا ہے اور ایسی

سخت تکلیف ہوتی ہے کہ ان بیماریوں میں مبتلا ہوکے انسان موت مانگتا ہے اور نہیں آتی۔ اور اگر کسی عیاش کو ایسی بیماریاں نہوں اور وہ کچھ عرصہ تک اُچھل کود کے بیٹھ رہے تو بھی وہ باقی عمر بھر رویا کرتا ہے اسلئے کہ اسمیں سے اصلی قوت نکل جاتی ہے اور اُسکی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور اُسکے بچے آئے دن بیمار رہتے بلکہ کم عمر میں مرجاتے ہیں یہہ آفت باپ کی شرارت سے اولاد میں آتی ہے اور اس سزا کے سوا جو ایسے لوگوں پر خدا سے آنے والی ہے یہہ حرامکار لوگ ایسی دنیا میں اپنا بہت نقصان کرلیتے ہیں اکثر انکی نسلیں منقطع ہوجاتی ہیں اور اُنکے ابا کا نسبی سلسلۂ نسبت نابود ہوجاتا ہے۔

ان لوگوں میں بعض تو غریب بدکار ہیں جو بے تہذیب اور جاہل ہوتے ہیں وہ زیادہ رسوا اور خوار ہوجاتے ہیں۔ بعض مہذب ذی علم اور دولتمند بدکار ہیں اور وہ کچھ سنجیدگی اور دانائی اور ثروت سے خفیتہً ایسے کام کیا کرتے ہیں اور وہ ان غریبوں کی نسبت کچھ کم رسوا ہوتے ہیں تو بھی الٰہی غضب اور آتشک و کوڑھ اور کمزوری نسل اور انقطاع نسب وغیرہ آفات میں سب کا برابر حصہ ہے۔ بعض دینداری کے لباس میں چھپکے ایسے بدفعلوں کے مرتکب ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ بُرے ہیں ایسونکے حق میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لمبی ڈاڑھیوں پہ نہ جا دلا ✦ یہہ سب آہوؤں کے ہیں مبتلا
یہہ شکار کرتے ہیں برملا ✦ انہیں ٹٹیوں کی آڑ میں

خدا کا بند و بست جو انسان کے لئے سراسر مفید ہے اس بارہ میں یوں ہے کہ جوان آدمی ایک شادی کرے اور اپنی اُس بی بی کو جو مناسب

طور سے اُسنے پائی ہے محبت اور عزت سے رکھے اور اُسی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ ہاں اگر دونوں میں سے ایک مرجائے اور دوسرا پھر شادی کے لایق رہے اگر وہ چاہے تو پھر اپنا بندوبست پاک طور پر کرلے تاکہ گناہ سے بچے اور اِس قوت کو قابو میں رکھے خدا سے ڈرے اور اپنے بدن کی بھی حفاظت کرے اور دانائی سے رہے ایسا آدمی خدا سے برکت پائے گا دنیا میں بھی خوش رہیگا اور آخر کو اُسکا بھلا ہوگا اور اسکی اولاد بھی بہت بیماریوں سے بچی رہے گی تمام سچے عیسائی ایسا ہی کرتے ہیں

(۳) طمع ہے۔ جسکو لالچ کہتے ہیں اصل اسکی بھی خوب ہے اور وہ یہہ ہے کہ آدمی اپنی حاجتوں کے رفع کرنے میں مناسب کوشش کرے اور اپنے آرام کی چیزیں تلاش کرکے جایز طور پر لے۔ اگر اُسے ہوکا لگ جائے تب وہ طامع اور لالچی ہے اُسکی نگاہ انصاف اور حق پر نہیں رہتی جسقدر پاتا ہے اُس سے سیر نہیں ہوتا بلکہ خدا کو چھوڑکے زر پرست ہو جاتا ہے ایسے آدمی کا دل ہمیشہ دکھہ میں رہتا ہے اگر وہ ایسا ہی مرگیا تو خدا کے غضب کی آگ میں چلا جائیگا۔ طمع خواہش حیوانی ہے نفس ناطقہ کی یہہ خواہش نہیں ہے بلکہ اِسکے خلاف قناعت نفس ناطقہ کی خواہش ہے جو نہایت اچھی چیز ہے۔

(۴) حسد ہے۔ یہہ کیا ہے دوسرے شخص کے پاس کوئی اچھی چیز دیکھہ کے اپنے دل میں جلنا ہے۔ یہہ بھی حیوانی خواہش ہے۔ تنگ دل لوگوں میں حسد بہت ہوتا ہے کشادہ دل لوگ حاسد کم ہوتے ہیں۔

خیرخواہی اور خیراندیشی اور برادرانہ محبت جو نفس ناطقہ کی صفتیں ہیں حسد اُنکے خلاف ہے۔

(۴) غرور ہے - یہہ خیال رکھنا کہ میں بھی کچھہ ہوں آپ پر فریفتہ ہونا ہے اور یہہ حیوانی صفت ہے ہر ایک سانڈ یہہ سمجھتا ہے کہ ہم چو من دیگرے نیست یہی حال اہل تکبر کا ہے کہ آپ کو بڑا آدمی جانتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو جو خاکسار ہیں حقیر سمجھتے ہیں - یہہ غرور پیدا ہوتا ہے قومی شرافت کے خیال سے اور دولتمندی کی وجہ سے اور علمی لیاقت سے بھی بلکہ بعض دینداروں میں بھی انکی دینداری انکی جان کا وبال ہو جاتی ہے جبکہ انہیں بجائے فروتنی کے غرور پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ میں کچھہ ہوں - سچی دینداری کا پہل یہہ ہے کہ میں کچھہ نہیں ہوں لیکن جھوٹی دینداری کہتی ہے کہ ہاں میں کچھہ ہوں - بعضے خدا کے بندے قوم سے بھی شریف ہیں دولتمند اور صاحب علم بھی ہیں تو بھی خاکسار اور فروتن رہتے ہیں اور غرور کو دل میں ہرگز جگہہ نہیں دیتے ہیں -

(۵) کینہ ہے - کسی کے ساتھہ دل میں پوشیدہ دشمنی رکھنے کا نام کینہ ہے اور یہہ ایک آگ ہے جو آدمی کے دل میں پوشیدہ یا دبی ہوئی رہتی ہے اور اُسی کے دل کو اندر اندر جلاتی رہتی ہے پھر موقع پا کے بھڑکتی ہے تاکہ اُسکو بھی جلا دے جسکی نسبت یہہ کینہ ہے یہہ بھی حیوانی صفت ہے نفس ناطقہ کی خواہش یہہ ہے کہ انسان کا دل سب کیطرف سے صاف ہو - یاد رکھنا چاہیے کہ کینہ ور آدمی عیسائی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسکے دل سے کینہ نکل نجائے اور وہ لوگ جو عیسائی کہلاتے اور دلوں میں کینہ رکھتے ہیں وہ ابھی تک موت میں رہتے ہیں مسیح کی روح انمیں نہیں ہے اور وہ اللہ کے سامنے عیسائی نہیں ہیں -

(۶) غضب ہے - یعنے غصہ یہہ صفت عام ہے حیوانوں میں بھی ہے اور نفس ناطقہ

انسانی میں بھی ہے بلکہ خدا میں بھی ہے کہ وہ شریروں پر غصہ ہوتا ہے اور
انکی شرارت کے سبب سے ناراض ہو کے انپر آفتیں نازل کیا کرتا ہے
اور سب شریروں کو ابد تک اپنے غصہ کے سایہ میں رکھیگا یہی مقام
دکھ کا ہے۔

مگر نادانی کا غصہ۔ اور بیجا غصہ۔ اور حیوانیت کے جوش کا غصہ
اور زود رنجی کا غصّہ۔ اور بے حلم غصّہ مکروہ بلکہ حرام اور خون ریزی
کی برابر ہے اسی سے آدمی گنہگار ہوتا ہے۔

ہاں دانشمندی اور خیر اندیشی کے ساتھہ انتظام کیلئے جو غصّہ ہے
وہ جائز اور مفید بھی ہے چاہیے کہ ہم سب اپنے اپنے غصوں کو بھی
پرکھیں۔

(۷) دشنام دہی۔ یعنے گالیاں بکنا۔ یا کچھہ اور بری باتیں کسیکی
نسبت منہہ سے نکالنا اور کوسنا یا بد دعائیں کرنا یا اپنے اوپر آپ
یا کسی غیر پر لعنت بھیجنا یہہ سب کام برے ہیں اور آدمیوں کے دلوں
پر اپنے منہہ سے چوٹ مارنا ہے اسی باتوں سے معلوم ہو جاتا ہے
کہ اس شخص کا دل اندر سے ناپاک ہے اور وہ بری باتیں جو اوسکے
منہہ سے نکلتی ہیں اس ناپاک دل کی بدبو ہیں اور وہی بدبو اسکے منہہ
سے باہر آتی ہے اور سننے والوں کی مزاج خراب کرتی ہے اور اس
آدمی کی بے دینی ظاہر ہوتی ہے اور یہہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص
کے دل میں شیطان رہتا ہے وہی اسکے اندر بیٹھا ہوا ایسی بری باتیں
بولتا ہے خدا نے اسکے دل کو نہیں چھوا اسکی عبادات اور نماز روزہ
سب واہیات ہیں کچھہ اثر نیکی کا اسکے دل پر نہیں ہوا ہے۔

سچے عیسائی جن کے دل پاک ہیں ایسے کام ہرگز نہیں کرتے اُنکے اندر سے صرف خوبی نکلتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ اُنکا دل خدا کے ساتھہ ہے
(ف) طالبان حق کو معلوم ہو جائے کہ وہ جو ہندوں اور مسلمانوں وغیرہ میں بزرگ کہلاتے ہیں اور مقطع شکل رکھتے اور ہاتھہ میں تسبیح لیکر سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا کرتے ہیں جب اُنکے ساتھہ تم تنہائی میں ہوتے ہو اور اُنکے مُنہہ سے عیسائیوں وغیرہ کو گالیاں نکلتے سُنتے ہو تو معلوم کر جاؤ کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں اور سچے عیسائیوں سے بھی رفاقت کر کے معلوم کرنا کہ اُنکے اندر سے دشمنوں اور موذیوں کیلئے کیا نکلتا ہے محض خیراندیشی اور دعا ہے۔ اور یہہ عیسائی دین کی پاک تاثیر ہے جو اُن پر ہوئی ہے۔ اور وہ جو اُن غیر مذہب کے بزرگوں کی کیفیت ہے وہ بھی اُنکے دین کی تاثیر سے ہے اِس سے ثابت کر سکتے ہو کہ دین حق کی تاثیر کیسی ہے۔

(۸) قسم کھانا ہے۔ انسان کو خدا کے سوا غیر شے کی قسم کھانا عقلاً و شرعاً حرام ہے۔ وہ جو کہا کرتے ہیں کہ مجھے اپنے پیر کی قسم یا اپنے سر و جان و اولاد کی قسم وغیرہ یہہ سب گناہ کرتے ہیں بُت پرستوں سے ایسی قسموں کا رواج جاری ہوا ہے۔ وہ جو ایسی قسمیں کھاتے ہیں ظاہر کرتے ہیں کہ یہہ چیزیں اُنہیں زیادہ پیاری ہیں اور اُنکے گمان میں یہہ بڑی چیزیں ہی ہیں۔ لیکن فی الحقیقت خدا بڑا ہے اور وہی سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہونا چاہیے۔
پس خدا کے سوا غیر چیز کی قسم کھانا بے ایمانی ہے اور خدا کا حق غیر کو دینا ہے پس حاصل کلام یہہ ہے کہ صرف خدا کی قسم کھانا چاہیے

اور سوا خدا کے اور کسی چیز کی قسم کہانا حرام اور ناجایز ہے۔
لیکن خدا کی قسم بہی بار بار کہانا اور اُسے تکیہ کلام تبار رکہنا خدا کی بے عزتی اور ٹہٹہوں میں اوڑانا ہے اور آپ کو لوگوں کی نظروں میں بے اعتبار کرتا ہے۔ سخت ضرورت کے وقت آدمی سچائی اور سنجیدگی سے خدا کی قسم کہا سکتا ہے ورنہ ہر حال میں جب وہ بولتا ہے تو اُسکی ہاں اور نہیں بمنزلہ قسم کے معتبر ہونا چاہیے۔

(ف) خدا تعالے نے بہی اپنی پاک کلام میں ابراہیم و داؤد سے اپنی ذات پاک کی قسم کہا کے بات کی ہے اور وہ بڑی بہاری بات ہتی چنانچہ تم خود اُس بیان کو (پیدایش ۲۲-۱۶ و زبور ۸۹-۴) میں دیکہہ سکتے ہو
قرآن ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے اپنی چند مخلوق چیزوں کی قسمیں کہائی ہیں ہم سمجہتے ہیں کہ یہہ بات خدا کی شان سے بعید ہے کہ وہ ان مخلوق چیزوں کی قسم کہائی اور اِن فانی چیزوں کو اپنی بات کی صداقت میں پیش کرے یہہ خیال جو قرآن میں ہے انسان کی تجویز ہے خدا سے نہیں ہے۔

(۹) غیبت ہے۔ یعنے پیٹہہ پیچہے لوگوں کے حق میں بُری باتیں بولنا یا اُنکی تحقیر کرنا اُن پر ہنسنا اُن کا نقصان کرنا۔ یہہ بد آدمی کا کام ہے بہلے لوگ جیسے سامنے ہوتے ہیں ویسے ہی پیچہے بہی رہتے ہیں۔

یہہ غیبت بڑی فساد کی صورت ہے یہہ کبہی مخفی نہیں رہتی۔ ظاہر ہو جاتی ہے اور اُسکے کان تک بہی جا پہونچتی ہے جسکے حق میں وہ ہوئی تب اُسکا دل خراب ہو جاتا ہے اور دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ جو غیبت کیا کرتا ہے دانشمندوں کی نگاہ میں حقیر ہے وہ خود اُس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اِس خیال سے کہ یہہ آدمی اُس شخص کی غیبت

ہمارے سامنے کرتا ہے ہماری غیبت کہیں اور جاکے کریگا یہہ نالائق ہے
اِس سے ہوشیار رہنا چاہئے پس غیبت سے کیا ہوتا ہے اپنے بھائی
کا نقصان خدا کا گناہ اور دانشمندوں کے سامنے خود ذلیل ہوتا ہے
اِسلئے مناسب ہے کہ کوئی کسی کی غیبت نہ کرے بلکہ جو کچھ کہنا ہو اُسکے
مُنہہ پر صاف صاف کہے یہہ صفائی کی بات ہے اور اُسکا جواب بھی اُس سے
سُنے ۔ شریروں کی مجلسوں میں غیبت کرنے والے اور غیبت سُننے
والے لوگ اکثر جمع ہوا کرتے ہیں اور اِس قسم کے بہت چرچے وہاں ہوتے
ہیں بعض لوگوں کو غیبت سُننے میں اور بعض کو غیبت کرنے میں مزہ
آتا ہے اِسکا سبب یہی ہے کہ اُنکے دلوں میں شیطان رہتا ہے ۔
(۱۰) نفاق ۔ اِس لفظ کے معنے ہیں بظاہر دوستی اور بباطن دشمنی
خالص دوستی کی خوشبو اور نفاقی دوستی کی بدبو ہرگز چھپی نہیں رہتی ہیں
اپنے اُن دوستوں کو خوب پہچانتا ہوں جو مجھسے خالص دوستی رکھتے ہیں
اور اُن کو بھی نام بنام جانتا ہوں جو مجھسے نفاقی محبت رکھتے ہیں اور یہہ
بھید کیونکر جانا ہے صرف اسی سے کہ بعض کی دوستی میں سے خلوص کی
اور پاک نیت کی خوشبو دماغ تک پہونچی ہے اور بعض کی دوستی میں سے
نفاق کی بو آگئی ہے تب میں بھی اُنکی طرف سے ہوشیار ہوگیا ہوں
اُنکے لئے دعا کرتا ہوں کہ خدا اُنکے دلوں کو پاک کرے اور اُنکے پھندوں
سے بچنے کے لئے ہر وقت ہوشیار رہتا ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اَور
لوگ بھی اسیطرح اپنے خالص اور نفاقی دوستوں کو پہچانتے ہونگے ۔
نفاقی دوست دشمنوں سے زیادہ بُرے ہیں اور بڑے نقصان کا باعث
ہیں ۔ چاہیے کہ کوئی آدمی اپنی روح میں نفاق کو جگہہ نہ دے ۔

(۱۱) بدگمانی - بدگوئی - ایذارسانی - الزام لگانا - بیحیائی - بددیانتی -
بے ایمانی - بسیارخواری - باطل عقاید - بُت پرستی - قبرپرستی -
پیرپرستی - بے انصافی - تعصب - خصومت - خودغرضی - دزدی -
دروغ گوئی - دغا - ریاکاری - شراب خواری - سُستی - ظلم - عیاشی
ناشکری - نافرمانبرداری وغیرہ - یہہ سب کام غلبہ حیوانیت کے سبب
سے ہوتے ہیں جبکہ نفس ناطقہ اپنا کام پس انداخت کرکے روح حیوانی
کا مطیع ہو جاتا ہے - یہہ سب جسم کے کام کہلاتے ہیں یہہ روح کے کام
نہیں ہیں اور روح انسانی جب جسم کی تابع ہو رہتی ہے تو ان سب کاموں
سے وہ ملامت کی لایق ٹھہرتی ہے -

## دفعہ ۴۴ انسانی جسم کے ناموں کا بیان

تمام دنیا کی زبانوں میں جسم کے کچھ ایسے نام ملتے ہیں جو روح انسانی
کو جسم سے جدا ظاہر کرتے ہیں اور یہہ بات بھی غور طلب ہے کلام اللہ
میں انسانی جسم کے لئے چھہ نام مذکور ہیں (پیدایش ۲ - ۷ میں) جسم کو مٹی
کہا گیا ہے اور (ایوب ۴ - ۱۹ میں) اُسے گلی مکان بتلایا ہے اور -
(ایوب ۱۰ - ۱۱ میں) اُسے احاطہ کہا گیا ہے (۲ قرنتی ۵ - ۱) میں جسم کو خاکی
گھر کہا گیا ہے (۲ قرنتی ۴ - ۷) میں جسم کو مٹی کا برتن بتلایا ہے (۲ پطرس ۱ - ۱۳)
میں اُسے خیمہ بیان کیا ہے - ان ناموں میں بدن کو مکان اور روح کو مکین
ظاہر کیا ہے جس سے بدن اور روح میں صاف فرق دکھلایا گیا
ہے پھر جب روح بدن سے نکل جاتی ہے تو اس جسم کا نام لاش ہوتا ہے
اور لفظ لاش کی اصل لاشی یعنے کچھہ چیز نہیں ہے کیونکہ شے وہی تھی جو اُسمیں

نکل کے چلی گئی ہے۔

## دفعہ ۴۵ روح انسانی کی صفات کے بیان میں

(امثال ۲۰-۲۷) میں آدمی کی روح کو خداوند کا چراغ کہا گیا ہے کیونکہ اس تمام کارخانہ بدنی میں روشنی بخش چیز روح ہے اور (متی ۶-۲۳) میں خداوند مسیح نے فرمایا ہے کہ اگر وہ نور جو تجھہ میں ہے تاریک ہو جائے تو کیسی تاریکی ٹھہرے گی یہہ اُسی روحانی روشنی کا ذکر ہے اور (۱ قرنتی ۲-۱۱) میں لکھا ہے کہ آدمیوں میں سے کون آدمی کا حال جانتا ہے مگر آدمی کی روح جو اُسمیں ہے اسیطرح خدا کی روح کے سوا خدا کا حال کوئی نہیں جانتا ہے پس انسانی روح میں علمی روشنی ہے اپنی لنسبت۔

تب یہہ روح انسانی ایک روشنی سی ہے جسمیں زندگی ہے اور اُسمیں حسؔ اور ادراک اور ارادہ اور قوت بھی ایک حد میں ہے۔ مصنوعات کی طرف دیکھہ کے روح انسانی جو صانع کا سراغ لگاتی ہے اِسکا یہی سبب ہے کہ اُسمیں خدا کی طرف سے یہہ استعداد رکھی ہوئی ہے (رومی ۱-۲۰) میں لکھا ہے کہ اُسکی اَن دیکھی صفتیں یعنے اُسکی ابدی قدرت اور الوہیت دنیا کی پیدائش سے اُسکے کاموں پر غور کرنے میں معلوم ہوتی ہیں یہاں تک کہ اُنکو کچھہ عذر نہیں یہہ علم کسکو حاصل ہوتا ہے انسان کی روح کو (نوحہ ۳-۲۴) میں ہے کہ میری روح کہتی ہے کہ خدا میرا حصہ ہے۔ وہ ایسا کیوں کہتی ہے ادراک کے سبب اور اُسکی خاص مہربانی اپنی طرف معلوم کرکے (استثر ۴-۱۳) مخلصی دوسری طرف سے طلوع ہوگی۔ یہہ کون کہتا تہا اُسکی انسانی روح اُس ادراکی استعداد سے جو اُسمیں تہی (زبور ۱۳۹-۱۴) میرے جی کو خوب الیقین ہے یہہ یقین کیونکر پیدا ہوا

روحی ادراک سے (امثال ۲۴ - ۳ و ۶ - ۳۰) وہ دغا کا کہانا ہے - بہوکے چور کو حقیر نہ جاننا - یہہ سب ہدایتیں روحی استعداد ادراکی سے ہیں - پہر ہم دیکہتے ہیں کہ انسان کی روح نیکی پر آفرین اور بدی پر نفرین کرتی ہے اور ظلم سے ایذا پاتی ہے انصاف سے خوش ہوتی ہے اور فانی خوشی سے آسودہ نہیں ہوتی یہہ سب کچہہ اُسکی ذاتی استعداد کے سبب سے ہے -

## دفعہ ۴۶ انسانی روح غیر فانی ہے

(عبرانی ۱۲ - ۹) میں لکہا ہے کہ خدا روحوں کا باپ ہے (ذکریا ۱۲ - ۱) میں ہے کہ خدا انسان کے اندر اُسکی روح پیدا کرتا ہے (گنتی ۱۶ - ۲۲) میں ہے کہ وہ سب جسموں کی جانوں کا خدا ہے (یشعیاہ ۵۷ - ۱۶) اور کہ جانیں جو میں نے بنائیں (زبور ۱۰۴ - ۲۹) تو اپنا دم پہیر لیتا ہے وہ مرجاتے ہیں (ایوب ۳۴ - ۱۴) وہ اپنی روح اور اپنا دم اپنی طرف سمیٹے تو سارے بشر ایک ساتہہ فنا ہونگے (واعظ ۳ - ۷) اسوقت خاک خاک سے جا ملے گی جسطرح آگے ملی ہوئی تہی اور روح خدا کے پاس پہر جائے گی جسنے اُسے دیا -

ان آیتوں سے یہہ بات ثابت ہے کہ انسان کی روح میں اور خدا میں ایک خاص قسم کا علاقہ ہے - اور کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اُسکا بدن خاک میں ملجاتا ہے اور اُسکی روح اللہ کے پاس چلی جاتی ہے نیست نہیں ہوجاتی

## دفعہ ۴۷ - انسان کی روح مجبور نہیں آزاد ہے

(پیدائش ۳ - ۲۲) میں ہے نہو کہ اپنا ہاتہہ بڑہائے اور درخت حیات سے کچہہ لے اور کہائے - کیونکہ آدم مجبور نہ تہا ارادہ اور فعل میں آزاد تہا

(۱ پطرس ۲-۱۶) میں لکھا ہے کہ آپ کو آزاد جانو لیکن اپنی آزادی کو بدی کا پردہ نہ کرو (زبور ۱۱۰-۳) میں ہے کہ تیرے لوگ تیری قوت کے دن حُسنِ تقدس کے ساتھ از خود ہدیہ ہونگے (۵۱-۱۲) میں ہے اپنی آزاد روح سے مجھے سنبھال (۲ قرنتی ۳-۱۷) جہاں خداوند کی روح ہے وہاں آزادگی ہے (پیدایش ۶-۱ سے ۴) میری روح انسان میں ہمیشہ مزاحمت نہ کریگی۔ اسلئے کہ وہ آزاد ہے اور کبھی اللہ کی روح کی ہدایت کو بھی نہیں مانتا اور اپنے منصوبوں کیطرف جاتا ہے۔ یہہ سزا اور جزا اسی آزادی پر مرتب ہے اور گناہوں پر ملامت کا اور ہدایت کا طریقہ اسی سبب سے جاری ہے کہ آدمی آزاد پیدا ہوئے ہیں وہ ہرگز کسی تقدیر کے مجبور نہیں ہیں۔

اور خدا کی مرضی یہہ ہے کہ سب آدمی اپنی آزادگی کے ساتھ اپنی خوشی سے اُسکے فرمانبردار ہوں۔

(ف) جس خدا نے آدمیوں کو آزاد پیدا کیا کیا عقل مانتی ہے کہ اسکی طرف سے کوئی جبری شرع آدمیوں کے لئے نکلے کہ ضرور کلمہ پڑھو یا جزیہ دو یا مارے جاؤ

## دفعہ ۴۸ روح انسانی میں ہمیشہ دو طرفہ توجہ ہے

ہر آدمی آپ کو ایک شخص موجود سمجھتا ہے اور میں بولتا ہے اور دنیا کی چیزوں کیطرف بھی متوجہ ہوتا ہے۔ اسکے ساتھ وہ یہہ بھی جانتا ہے کہ میں یقیناً قایم بالذات نہیں ہوں کسی دوسرے کے ہاتھ میں میری زندگی ہے اور یہہ دوسرا وہی ہے جو قایم بالذات اور جہان کا مالک ہے پس انسانی روح ہر دو طرف دیکھتی ہے اپنی طرف اور خدا کیطرف اور اسکی یہہ دونو توجہات اُسکی ذاتی خصلتیں ہیں۔

دفعہ ۴۹

# انسانی روح جب گناہ میں ہے مردہ ہے مسیح اسے جلاتا ہے

ایسا مردہ نہیں کہ بے حس و حرکت مثل لاش کے ہو مگر موت کے سایہ میں ہے اور موت کا زہر اسے چڑھا ہوا ہے۔ اسی لئے خدا کے کلام میں بے ایمانوں بدکرداروں کو مردہ کہا گیا ہے (متی ۸-۲۲) تو میرے پیچھے آ اور مردوں کو اپنے مردے گاڑنے دے (افسی ۲-۱) اُس نے تمہیں بھی جو خطاؤں اور گناہوں کے سبب سے مردہ تھے زندہ کیا (آیت ۵) ہمکو جو گناہوں کے سبب مردہ تھے مسیح کے ساتھ جلایا (۵-۱۴) مردوں میں سے اُٹھ (رومی ۵-۱۲) موت گناہ کے سبب سے آئی۔ اور آدم کے سبب سے ہم آدمیوں میں پہلے (۸-۲) جسمانی مزاج موت ہے۔

یہہ مردہ روحیں جب تک کہ آدمیوں کے بدنوں میں ہیں اُنکا علاج ہوسکتا ہے کہ موت انہیں سے نکل جائے اور زندگی آجائے اور پھر وہ ابد تک زندہ رہیں لیکن یہہ کام صرف یسوع مسیح سے اور اُسکی روح سے ہوتا ہے اور یہی بات عیسائی دین کی بڑی فضیلت ہے دنیا میں اور کوئی تدبیر دفع موت کے لئے نہیں ہے مگر صرف یسوع مسیح کا نام جس سے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی روحوں میں سے موت نکل گئی ہے اور زندگی آگئی ہے۔

جب سچے عیسائی بنتے ہیں تب گناہ دل میں سے نکلتا ہے اور موت روح میں سے نکلتی ہے اندھیرا دفع ہوتا ہے اور گناہ کا وبال بھی کفارہ سے جاتا رہتا ہے اور جب فرمانبردار ہو کے مسیح کے پیچھے ہو لیتے ہیں تب اُسکے نور سے منور ہوتے ہیں اور مسیح کی روح سے ہماری روحوں میں زندگی آجاتی ہے تب ہم خدا

کی عبادت روح اور راستی سے کرتے ہیں (یوحنا ۴-۲۴)
تو بھی جب تک دنیا میں ہیں جسم خاکی ہیں اور جنگ روحانی میں پھنسی ہیں لیکن دلوں میں اور خیالوں میں روشنی اور آنند ہے آیندہ کو فرشتوں کی مانند ہونگے (لوقا ۲۰-۳۶) بقا اور جلال اور قدرت اور روحانی جسم خدا سے پائیں گے - فنا اور حقارت ناتوانی اور نفسانیت جاتی رہے گی (اقرنتی ۱۵ ۴۲ سے ۴۴) بلکہ مسیح کی مانند ہونگے (ایوحنا ۳-۲) اللہ کے بیٹے کی ہمشکل ہونگے (رومی ۸-۲۹) آسمانی صورت پائیں گے (اقرنتی ۱۵-۴۹) اور ہمارے خاکی بدن بھی اُسکے جلالی جسم کی مانند ہونگے (فلپی ۳-۲۱) اور ہم جلال میں ظاہر ہونگے (قلسی ۳-۴)

ان باتوں کا یقین ہمیں اسلئے ہے کہ ہمنے مسیح سے اپنی روحوں میں اسوقت بطور بیعانہ کے کچھ پایا ہے - اور کہ ہم مسیح کو پہچان گئے کہ وہ کون ہے اور کہ اُسکی قوت سے بھی آگاہ ہو گئے ہیں اور اُسکا کلام حق ثابت ہو چکا ہے اور جب کہ یہہ سب باتیں امور واقعی ہیں تو ثابت ہے کہ ہماری روحوں کی اصلیت ملکی ہے کہ ہم اپنی تکمیل فرشتوں کی مانند ہونے میں دیکھتے ہیں -

## دفعہ ۳۰ آدمیوں کی روحوں پر کچھ اندھیرا سا ہے جسکے چار مخرج ہیں -

نہ سب آدمیوں کی روحوں پر مگر اکثروں کی روحوں پر - ہاں وہ جو اب منور نظر آتے ہیں پہلے اُنکی روحوں پر بھی اندھیرا تھا اُنکو مسیح نے اب روشن کیا ہے -

اسمیں کچھ شک نہیں کہ بہت روحوں میں اندھیرا ہے - لیکن یہہ اندھیرا

کہاں سے آگیا ہے یہہ غور کی بات ہے۔

اولاً یہہ دیکھتے ہیں کہ آدمی کے اندر سے اندھیرا نکلتا ہے۔ جب آدمی اپنی بدخواہشوں اور بدمنصوبوں اور خودغرضیوں وغیرہ کا مغلوب ہو کے بُرے کام کرتا ہے تو یہہ اندھیرا اُسی کے اندر سے نکلتا ہے (پیدائش ۴۹-۶) اپنے غضب میں مرد کو قتل کیا اپنی خودرائے سے شہرپناہ ڈھادی (لوقا ۱۲-۱۹) اپنی جان سے کہوں گا کہ تیرے پاس بہت سا مال برسوں کیلئے جمع ہے چین کر کھا پی خوش رہ - دیکھو یہہ سب اندھیر کی باتیں ہیں اور انسان کے اندر سے نکلتی ہیں۔

ثانیاً خارج میں بہکانے والے بہی ہیں شریر دوست اور بدکار ہمنشین اور بد نمونے جو دنیا میں نظر آتے ہیں اندھیر کا باعث ہیں

ثالثاً ایک اور پوشیدہ بدروح ہے جو انسان کی دشمن ہے جسنے حوّا کو بہکایا تہا (پیدائش ۳-۱۳) اور یہی بدروح انسان پر غالب آکے دنیا میں ایسی مسلط ہو گئی ہے کہ مسیح نے اُسے اِس جہان کا سردار اور پولوس رسول نے اُسے اِس جہان کا خدا کہا ہے کیونکہ وہ بد ارادے لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا اور بہتوں سے اپنی پرستش کراتا ہے اُسی کا نام شیطان ہے اُسنے بہت سا اندھیر لوگوں کی روحوں میں ڈال رکہا ہے۔

(۲ قرنتی ۴-۴) اِس جہان کے خدا نے اُنکی عقلوں کو جو بے ایمان ہیں تاریک کر دیا ہے تا نہو کہ مسیح جو خدا کی صورت ہے اُسکی جلالی انجیل کی روشنی اُن پر چمکے۔

(متی ۴-۸) وہ لالچ دیتا ہے - اور باطن میں تاثیر کرتا ہے - رابعاً

جب آدمی گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور خدا کی ہدایتوں کے تابع نہیں ہوتا ہے تب ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ خدا اُس آدمی کو چھوڑ دیتا ہے مہربانی اور فضل کو اسکی طرف سے ہٹا لیتا ہے تب اُس آدمی کے دل پر بڑا اندھیرا سا آجاتا ہے اور وہ سنگدل ہو جاتا ہے یہانتک کہ ہلاک ہو جائے فرعون کا اور جسیوں کا حال ایسا ہی ہوا اور ہر زمانہ میں گردن کش شریر جو خدا کی طرف آنا نہیں چاہتے اور ہمیشہ ہدایت الٰہی کی تحقیر کرتے اور بجائے الٰہی ہدایتوں کے اپنے دل سے خیال نکالتے اور جھوٹے راہوں کے حمایتی ہو رہتے ہیں اسیطرح خدا سے چھوڑے جاتے ہیں اور فرعون بے سامان ہو کے مرتے ہیں۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے کئی ایک ہمارے دوست خدا سے چھوڑے گئے انکی طرف سے روشنی ہٹ گئی اور وہ سخت تاریکی میں پھنس کے ہلاک ہو گئی اسلئے مناسب اور فرض ہے کہ ہم ان اندھیرے کے چار مخرجوں سے خبردار رہیں

## دفعہ ۳۲ خدا تعالےٰ ہمارا نشانہ ہے

یعنے وہ چیز جسکی طرف آدمیوں کو ہمیشہ تاکنا چاہیے کہ اُسکے مشابہ ہو کے اپنے کمال کو پہنچیں خدا تعالےٰ ہے اور اِس سے ہماری روحوں کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ کہ وہ کس رتبہ کی ہیں۔ اگرچہ خدا تعالےٰ کے کام دنیا میں کچھ نظر آتے ہیں مگر اُسکی ذات پاک غیر مرئے یا نادیدنی ہے یسوع مسیح خدا کی صورت ہے وہ نادیدہ خدا کو اپنی ذات میں دکھلاتا ہے اور ہدایت یوں کرتا ہے کہ تم کامل بنو جیسے تمہارا باپ جو آسمان پر کامل ہے (متی ۵ - ۴۸) آدمی اِس سے کامل ہوتا ہے کہ خدا کی خصلتوں

کا منظر بنے اِسطرح سے کہ خدا کیطرف بدل وجان متوجہ ہو اور اپنی مزاج کو اُسکی مزاج کے مشابہہ کرنے میں کوشش کرے خدا نیک ۔ پاک ۔ حلیم ۔ صابر ۔ بردبار ۔ غیور ۔ رحیم ۔ منصف ۔ عادل وغیرہ صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اور یہہ سب صفتیں کامل طور پر اسمیں ہیں ۔ اور یہی صفات ہیں جن سے آدمی لایق ہوتا ہے اگر یہہ صفتیں انسان میں نہوں تو وہ آدمی بڑا نالایق نفرتی ہوتا ہے ۔ اِس بیان سے سمجھ لو کہ ہماری روحوں میں اور خدا میں کیا علاقہ ہے لیکن اِس بات کا لطف اِنسان پر اُسوقت کھلتا ہے کہ وہ گناہ کے نشے سے ہوش میں آتا ہے تب کہتا ہے کہ میں اپنے باپ پاس جاؤں گا (لوقا ۱۵ ۔ ۱۷ و ۱۸)

کلام اللہ میں خدا تعالے کی نسبت تین خاص باتوں کا ذکر ہے ۔ اول آنکہ خدا روح ہے (یوحنا ۴ ۔ ۲۴) دوئیم آنکہ خدا نور ہے اور اُسمیں تاریکی ذرہ بھی نہیں (ا یوحنا ۱ ۔ ۵) سیوم آنکہ خدا محبت ہے (ا یوحنا ۴ ۔ ۱۶) اور انسان کے اعلے فرائض بھی یہی تین ہیں کہ آدمی اپنی روح سے خدا کے سامنے جھکے ۔ اور الٰہی نور کی روشنی میں چلے پھرے ۔ اور یہہ کہ خدا کی محبت اور برادرانہ محبت کے احاطہ میں ہر وقت رہے اِسکا حاصل یہہ ہے کہ وہ جو خدا تعالے کی خاص خوبی ہے اُسی میں قایم رہنا انسان کی خوبی ہے ۔

ایک قسم کے آدمی ہیں جنکو کلام اللہ میں اللہ کہا گیا ہے مجازاً دیکھو (زبور ۸۲ ۔ ۶) میں نے کہا تم خدا ہو اور (یوحنا ۱۰ ۔ ۳۴ و ۳۵) میں لکھا ہے کہ جنکے پاس خدا کا کلام آیا اُسنے اُنہیں خدا کہا ۔ یہہ وہی کلام ہے جسکا ذکر (یوحنا ۱ ۔ ۱) میں ہے کہ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہہ یسوع مسیح کی نسبت لکھا ہے جو مجسم ہو کے ظاہر ہے وہ

اندیکھے خدا کی صورت ہے جب وہ آدمی کے دل میں آتا ہے تو آدمی کو خدا کی صورت میں اور الہی طبیعت اور مزاج میں لاتا ہے اور آدمی اتنا بڑا خطاب پاتے ہیں اور بیبل کی عبارت کو جو کلام اللہ کہا گیا ہے۔ اِسلیئے کہا گیا ہے کہ وہ اُسکا کلام ہے (یوحنا ۱۴-۲۳) اور یہہ زندگی کا کلام ہے جو اُسیسے آتا ہے اور جب یہہ عبارتی کلام دل میں آتا ہے تو وہ آتا ہے جبکا وہ کلام ہے۔ آدمی جو پیدا ہوتا ہے روحانی نہیں بلکہ جسمانی پیدا ہوتا ہے پھر ایک خاص وقت بعض آدمیوں پر ایسا آتا ہے کہ وہ جسمانی سے روحانی ہوجاتے ہیں جبکہ تولید جدید اُنکی روحوں میں ہوتی ہے (اقرنتی ۱۵-۴۵و۴۶) اور جب یہہ ہوتا ہے تو انسان کی روح موت سے گذر کے زندگی میں آجاتی ہے (ایوحنا-۳-۱۴)۔

## دفعہ ۱۳۲ نیند اور غنودگی کے بیان میں

نیند ایک حالت ہے ہر ایک حیوان کو عارض ہوتی ہے اُسمیں یہہ سب حواس کچھہ معطل سے ہوجاتے ہیں اور غیر ضروری حرکات چھوڑ دیتے ہیں صرف ضروری حرکتیں مثلاً سانس لینا وغیرہ قایم رہتے ہیں کیونکہ تھکان کے سبب سے لطیف ابخرے دماغ میں گھس جاتے ہیں اور حیوانی روح کو ایسا غلیظ کرتے ہیں کہ وہ پٹھوں میں نہیں بہتی۔ جب تک کہ نیند کا وقت پورا نہ ہوجائے یا وہ آدمی صدمات سخت سے جگایا نہ جائے۔

نیند صحت کے لئے مفید ہے اگر اپنی حد میں ہو۔ اُس سے حیوان تر و تازہ ہوکے پھر اُٹھتا ہے۔

غنودگی یا نوم متصل ایک اور حالت ہے جو نیند اور بیداری کے درمیان

ہوتی ہے جسمیں حیوان کچھ سوتا ہے کچھ جاگتا ہے۔
نیند کو تشبیہاً موت کی چھوٹی بہن سمجھنا چاہیے بڑی بہن موت ہے جسمیں تمام کارخانہ الٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔ روز روز سونا اور پھر جاگنا مرکے جی اُٹھنے کا ایک نمونہ سا ہے۔

## دفعہ ۳۲ خواب کے بیان میں

کبھی کبھی سوتے وقت آدمی کچھ دیکھتے ہیں یا اُنہیں کچھ معلوم ہوتا ہے اور جب جاگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمنے یہہ خواب دیکھا۔ یہہ تو سچ ہے کہ اُنھوں نے خواب دیکھا۔ مگر واقعات کے تجربوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہہ خواب کئی طور پر ہوا کرتے ہیں چاہیے کہ ہم خوابوں کی قسموں سے بھی آگاہ ہو جائیں۔
اول اضغاث احلام ہیں اِس لفظ کے معنے ہیں۔ سوکھے گھاس کے گٹھے خوابوں کے۔ یہہ وہ واہیات پریشان خواب ہیں جو معدہ کی خرابی سے نظر آتے ہیں جب کہ پیٹ میں قبض ہے یا کوئی ایسی غذا کھائی ہے جس سے خراب ابخرے دماغ کیطرف چڑھے ہیں۔ یا وہ شخص اپنی بدنی کیفیت اور دماغی واہی خیالات کے موافق کچھ دیکھتا ہے مثلاً دموی مزاج آدمی اکثر خواب میں سرخ رنگ کی چیزیں دیکھتا ہے اور صفراوی مزاج کو آگ وانگارے نظر آتے ہیں۔ اور جب ریح کا غلبہ ہے اور مزاج میں کچھ بادی ہے تب دیکھتا ہے کہ گویا ہوا میں اُڑتا ہوں اور احمق سمجھ لیتا ہے کہ میں شاید ولی اللہ ہوگیا ہوں۔ سوداوی مزاج کو پہاڑ اور دہوئیں کے غبار نظر آتے ہیں۔ اور بلغمی مزاج کو پانی کی نہریں اور بارش اور سفید رنگ کی

چیزیں دکھلائی دیتی ہیں۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو یا چند کیفیتوں میں ترکیب ہو جاتی ہے۔ نفسانی خواہشیں اور روح کی بُری کیفیت اور بدنی امراض وغیرہ ملکے عجیب شکلیں پیدا کرتے ہیں یہہ سب واہیات خواب ہیں اور خدا کے کلام میں ان خوابوں کو ناچیز بتلایا گیا ہے (یشعیا ۲۹ - ۸) بھوکھا اور پیاسا آدمی خواب دیکھتا ہے کہ کھاتا اور پیتا ہوں (واعظ ۵ - ۷) خوابوں کے وفور میں اور باتوں کی کثرت میں گوناگوں بطالتیں ہیں پس تو خدا سے ڈر۔

(ت) وہ جو دانشمند آدمی ہے اُسیے خوابوں کے وسیلہ سے اپنی اندرونی بگڑی ہوئی کیفیت سے خبردار ہوکے صحت اور صفائی کے درپے ہوتا ہے اور مزاج کو اعتدال پر لانے کی جلابوں وغیرہ سے کوشش کرتا ہے لیکن بیوقوف آدمی کبھی کبھی ایسی خوابوں کا معتقد ہوکے اپنے دین کا اور دنیا کا بھی نقصان کرلیتا ہے۔

بعض وقت وہ مشایخ جو خلوص سے بے بہرہ ہیں اور دینداری کے لباس میں ہوکے دنیا کماتے ہیں کہتے ہیں کہ آج ہمنے ایک خواب دیکھا اُسکی تعبیر یہہ ہے کہ یوں یوں ہوگا۔ اور ایسے لوگ نہ صرف باطل مذہبوں کے مشایخوں میں ہیں بلکہ خدا کی جماعت کے درمیان بھی ہوتے ہیں اُنکی شکایت خداتعالے نے اپنی کلام میں یوں کی ہے (یرمیا ۲۳ - ۳۲) میں اُنکا مخالف ہوں خداوند کہتا ہے جو جھوٹھی خوابوں کو نبوت سے کہتے ہیں اور اُنہیں بیان کرتے ہیں اور اپنی جھوٹھی باتوں سے اور شیخیوں سے میرے لوگوں کو بہکاتے ہیں (۲۹ - ۸) میں ہے کہ اپنے خواب بینوں کو جو تمہارے ہی کہنے سے خواب دیکھتے ہیں مت مانو۔

اِن جھوٹے اور واہیات خوابوں کا ذکر سنکے یہہ نہ سمجھنا چاہیے۔ کہ خواب مطلق غلط اور باطل ہی ہوتے ہیں ایسی بات ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ جو حقیقی خواب ہیں اور خدا کیطرف سے بعض آدمیوں کی روحوں پر ظاہر ہوتے ہیں برحق اور راست ہیں اور محمدی لوگ اُنکو مبشرات کہتے ہیں۔ اُنمیں یہہ خصوصیت نہیں ہے کہ صرف نیک اور خداپرست دیندار اور باایمان آدمی ہی دیکھتے ہیں بلکہ کافر اور بُت پرست بھی کبھی کبھی سچے خواب دیکھتے ہیں۔ دیکھو فرعون اور بنوکدنذر نے بھی جو بُت پرست لوگ تھے سچے خواب دیکھے تھے اور فرعون کے نان پز اور ساقی نے بھی جو دیکھا تھا سچ تھا (پیدایش ۴۰۔ ۸ سے ۴۱ و ۴۱۔ ا سے ۸ و اخبار الایام ۲) بنوکدنذر کے خواب کا بیان کیسی تعجب کی بات ہے کہ دانیال نے اسکا خواب بھی تبلایا اور تعبیر بھی کہی اور ویسے ہی ظہور میں آیا اب کون کہہ سکتا ہے کہ وہ خواب نہ تھا خیال تھا۔ پھر دیکھو ایک آدمی بُت پرست پیلاطوس کی زوجہ نے جو عدالت کے وقت اپنے شوہر کے پاس یسوع مسیح خداوند کی نسبت اپنی خواب کی خبر بھیجی کیسی صحیح خبر تھی (متی ۲۷: ۱۹)

دنیا میں سچی خوابوں کا وجود بھی ضرور پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ اپنی سچی خوابوں کے ایسے معتقد ملیں گے کہ اُنکے اِس اعتقاد کو کوئی فلاسفر ہرگز ہٹا نہ سکے گا وہ کہیں گے کہ البتہ دنیا میں باطل خواب خیال بھی ہوتے ہیں مگر ہمارا فلانہ خواب ضرور سچا تھا۔

پس اگرچہ اسکا وہ خواب سچا ہو لیکن غیر شخص کے لئے وہ سندی بات نہیں ہو سکتی ہے اگر کچھ سندی بات ہے تو اُسی کیلئے ہے جسنے وہ خواب دیکھا ہے۔ کیونکہ بعض وقت آئندہ واقعہ کا عکس ہو سکتا ہے کہ کسی

آدمی کے دل پر گرے اور مدبر عالم کے ارادہ سے گرے۔ جبکہ خدا کوئی بات کسی پر ظاہر کرنا چاہے۔

لیکن آدمیوں کی نجات کے بارہ میں جو کچھ تعلیم ضرور تھی وہ سب پیغمبروں اور صاحبان الہام کے وسیلے سے بیبل شریف میں خدا کیطرف سے بیان ہو چکی ہے اور کامل ثبوت کو پہونچ گئی ہے اور یہہ کام ختم ہو گیا ہے اب جو کچھہ اس بارہ میں کوئی آدمی بیبل کے خلاف کہے گا وہ ہرگز خدا سے نہوگا (گلاتی ۱-۸) اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ سوائے اُس انجیل کے جو ہمنے تمہیں سنائی دوسری انجیل تمہیں سنادے سو ملعون ہو۔

یہہ اور بات ہے کہ کوئی کہے مینے ایک خواب دیکھا ہے فلاں شخص پر کوئی آفت یا برکت آتی نظر آتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید ایسا ہو دیکھا جائیگا جب ویسا ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا خواب سچا تھا لیکن ہمیں اور تمہیں دونوں کو کلام اللہ کا مطیع ہونا ضرور ہے نہ خواب خیالوں کا

## دفعہ ۴۴ پیغمبروں اور مومنین کی خواب کا بیان

چونکہ یہہ لوگ بھی انسان ہیں اُنہیں بھی بدہضمی اور بیماری وغیرہ اسباب سے باطل خیال آسکتے ہیں اور آتے بھی ہیں۔ مگر اِن لوگوں کے وہ خاص خاص خواب جو کلام اللہ میں مذکور ہیں الہام کی قسم سے ہیں اِسلئے اُنکی اُن خوابوں کو حقیقی خواب ماننا واجب ہے۔

دیکھو کیا لکھا ہے (ایوب ۳۳-۱۵) خواب میں رات کی رویا میں جب بھاری نیند لوگوں پر پڑتی ہے اور وہ بچھونے پر سوتے ہیں اُس وقت وہ انسان کے کان کھولتا ہے اور اُنکے ذہن میں تعلیم نقش کر دیتا ہے

اب سوچئے کہ یہہ تعلیم درست ہے یا نہیں تجربہ سے یقین ہے کہ درست ہے اُسوقت آدمی کے حواس معطل سے ہوتے ہیں توبھی اُسکی روح کچھہ سنتی کچھہ دیکھتی کچھہ سیکھتی ہے اگر روح انسانی ایک مستقل جوہر نہوتا تو ایسا معاملہ کسطرح ہوسکتا تھا (ایوب ۴-۱۲ سے ۲۱ تک پڑھو)

دیکھو جب وہ سوتا تھا اور آنکھیں بند تھیں حواس معطل تھے تب اسکی روح نے ایک اور روح کو دیکھا اور اُس سے متاثر ہوئی اور ایک آواز بھی سُنی اِس حالت میں جو دیکھنا اور سُننا ہوا نفس ناطقہ سے بلا توسط حواس ظاہری کے ہوا (گنتی ۱۲-۶ سے ۹) خداتعالے نبی کو اپنے تئیں رویا میں معلوم کراتا ہے اور اُس سے باتیں کرتا ہے اور موسٰے سے آمنے سامنے بولتا ہے- اور یہہ بھی لکھا ہے کہ سچی خواب والا نبی جو بد تعلیم دے قبول نہ کیا جاوے کہ وہ آزمایش کا مقام ہے (استثنا ۱۳-۱ و ۳)

## دفعہ ۳۴ اطوار تعلیم و تعلم

انسان محض جاہل پیدا ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی اِس جہان کی باتیں سیکھنا شروع کرتے ہیں اور وہ سُننے سے اور دیکھنے سے اور قیاس سے اور تجربہ سے تعلیم پاتے چلے جاتے ہیں- وہ بدی بھی سیکھتے ہیں اور نیکی بھی سیکھتے ہیں آنکی تعلیم کبھی پوری نہیں ہوتی کہ وہ مرجاتے ہیں اور سیکھنے کے لئے بہت کچھہ باقی رہجاتا ہے- اُنہیں نہ اِسقدر فرصت ہے نہ اِسقدر طاقت ہے کہ سب کچھہ سیکھہ سکیں-

ضروری بات انسان کے لئے یہہ ہے کہ وہ اپنے خالق کی مرضی کو دریافت کرے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور اُسی کے موافق اپنی زندگی بسر کرے اِس

سے رخصت ہو۔ ہاں دنیا کی اور باتیں بھی جہاں تک وہ سیکھہ سکتا ہے سیکھے اِس سے بھی فایدہ ہوتا ہے۔ لیکن اسکی اعلےٰ غرض یہی ہونا چاہیے کہ وہ خدا کی مرضی کو دریافت کرے کیونکہ بہبودی اسکی اسی پہ موقوف ہے۔
عام طریقہ تعلیم کا آدمیوں کے لئے اکتساب اور استفاضہ اور فکر کا ہے اور یہہ طریقہ حواس سے علاقہ رکھتا ہے اور پورا ہوتا ہے۔ لیکن خدا کی مرضی اِس طریقہ سے پوری پوری دریافت نہیں ہوسکتی ہے اسلیے خدانے ایک اور طریقہ تعلیم کا دنیا میں ظاہر کیا ہے جسے الہام کہتے ہیں اور یہہ طریقہ خاص الٰہی مرضی کے اظہار کے لئے ہے اور یہہ عام آدمیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ خاص لوگوں کو بخشا گیا تھا جنکے وسیلہ سے الٰہی مرضی بیبل شریف میں قلم بند ہوگئی ہے۔ اس طریقہ سے جو تعلیم ہوتی ہے اسکے لئے الفاظ ذیل دنیا دنیا میں مشہور ہیں یعنے الہام مکاشفہ القا وحی وجد وجدان فیض۔
الہام کے معنے ہیں کہ کوئی مطلب انسان کے دل میں خدا کیطرف سے آوے جسمیں اکتساب اور استفاضہ اور فکر کو اور قوت واہمہ کو دخل نہو۔
مکاشفہ کے معنے ہیں پردہ ہٹا کے کچھہ دکھانا۔
القا کے معنے ہیں خدا کیطرف سے کوئی بات دل میں ڈالا جانا۔
وحی کے معنے خدا کا پیغام۔
وجد کے معنے ہیں بوسیلہ چشم دل کے خدا کو دیکھنا۔
وجدان کے معنے ہیں گم شدہ کو پانا۔
فیض کے معنے ہیں خدا کیطرف سے دلوں میں برکت کا جھکے آنا
دنیا میں بڑا مباحثہ اسبارہ میں ہو رہا ہے کہ آیا یہہ دو طریقے

یعنے اکتسابی اور الہامی فی الحقیقت جہان میں ہیں یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف اکتسابی طریقہ ہے الہامی طریقہ فرضی بات ہے یا وہ مغالطہ دیکے الہامی طریقہ کو اکتسابی میں شامل کردیتے ہیں چنانچہ برہمو اور نیچریوں کا یہی حال ہے یہہ سب الہام کے منکر ہیں۔ اُنکی باتیں ہمیں کچھ سنجیدہ نظر نہیں آتیں اور نہ اُن لوگوں میں کچھ خیر خوبی دکھلائی دیتی ہے دنیا کے درمیان جسقدر خیر خوبی نظر آتی ہے وہ صرف اسی الہامی طریقہ سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اِسلئے ایسے منکر ہمیں بطلان پر نظر آتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ ہاں الہام کا طریقہ تو موجود ہے مگر وہ عام ہے ہر زمانہ میں لوگوں کو الہام ہوا کرتا ہے خاص زمانہ میں خاص لوگوں پر اور خاص کتابوں میں منحصر نہیں ہے۔

یہہ قول فریب کا ہے منکرین الہام نے قایلین الہام کو فریب اور مغالطہ دیکے اپنے جال میں پھنسانے کے لئے بنایا ہے تاکہ اپنی واہی باتوں کو اس زمانہ کا الہام کہکے اُن سے قبول کرائیں۔ اور حقیقی الہام کو اُن سے چھوڑائیں ایسے لوگوں کو منکرین الہام کہنا چاہئے۔

میں پوچھتا ہوں کہ الہام کی ہمیں ضرورت کیوں ہے۔ صرف اِسلئے کہ ہم خدا کی مرضی کو معلوم کریں کہ ہماری اُخروی اور حال کی بہبودی کیونکر ہوسکتی ہے اور عقل اسبات کو قبول نہیں کرتی ہے کہ خدا کی مرضی ہر زمانہ میں لوگوں کی نسبت بدلا کرے آج کچھ مرضی ہے اور کل کچھ اور مرضی ہوجائے اُسکی ایک مرضی ہے جو اول سے آخر تک سب آدمیوں کی نسبت ہے سو ایک دفعہ ایک زمانہ میں اُسکا اظہار کافی ہے ہر زمانہ میں الہام کی کچھ ضرورت اور حاجت نہیں ہے ہاں فیض کی حاجت ہے کہ ہر زمانہ

ہیں ہر کوئی اپنے دل میں برکت پانیکا محتاج ہے کہ الٰہی مرضی ظاہر شدہ میں مستقیم ہو۔

خدا کی طرف سے جو پیغام آنا تھا وہ پیغمبروں کے وسیلے سے آچکا ہے اور اُسکی مرضی ظاہر ہو گئی ہے جو بیبل میں مندرج ہے اور برکت روحانی ایمانداروں کو ہر زمانہ میں برابر ملتی رہتی ہے جس سے وہ دینداری میں قایم اور ایمان میں خوشوقت رہتے ہیں۔

دنیا میں اہل بیبل کے سوا اور لوگ بھی ہیں جو ایک ایک کتاب لیکے اُسکے الہامی ہونے کے مدعی ہیں اسکا فیصلہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ بعض آدمیوں کو وہم بھی ہوتے ہیں کیونکہ قوت واہمہ اُنمیں ہے۔ بعض آدمی دہوکھا بھی کہاتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان ضعیف البنیان ہیں اور دنیا میں فریب بہت ہے۔ بعض آدمیوں کو مالیخولیا بھی ہوجاتا ہے صفراوی غلبہ سے بعض آدمی خود بھی فریب دینا چاہتے ہیں کہ اپنی کوئی غرض پوری کریں۔ بعض آدمی بیوقوف بھی ہیں کیونکہ سب نے مناسب تعلیم نہیں پائی ہے بعض آدمی شریر بھی ہیں کیونکہ اُنکے دلوں میں شر ہے۔ بعض آدمی بجائے خود نیک اور خداترس اور سچے بھی ہیں اسلئے ہر مدعی کا قول بے تامل قبول کرنا یا رد کرنا مناسب نہیں ہے جب تک کہ مناسب تحقیق نہو جائے پس جو کوئی چاہے اُٹھے اور تحقیق کرے کہ کونسی کتاب اللہ سے ہے اور ایسی سچائی سے دریافت کرے کہ خدا کے سامنے روسیاہ نہو جائے بے ایمان اور بے انصاف منصف ہو کے فیصلہ نہ کرے بیبل شریف کی کیفیت کا مقابلہ سب اہل مذاہب کی کتابوں کی کیفیتوں سے بہزار کوشش اور انصاف لائق آدمیوں سے ہوگیا ہے اور ثابت

ہو چکا ہے کہ صرف بیبل ہی حق ہے وہی خدا سے ہے اُسی میں الہام ہے اُسی میں انسان کے لئے زندگی اور تسلی ہے اُسی میں روشنی ہے چاہو تو بالانصاف خود مقابلہ کر دیکھو۔

# دفعہ ۳ اطوار تحقیقات

دنیا میں جھوٹھہ اور سچائی یہہ دونو موجود ہیں بلکہ جھوٹھی تعلیمات بکثرت پھیلی ہوئی ہیں۔ کیا کریں کہ گمراہی سے بچیں اور غلطیوں میں سے نکلیں اُسکی راہ صرف یہی ہے کہ اولاً ہم ہر طرف سے نگاہ ہٹا کے آپ اپنے دل میں اور خیال میں سچے بنیں یعنے سچائی کے سچے طالب ہوں۔

یہاں تین لفظ ہیں جنہیں خوب یاد رکھنا چاہیے اوّل سچائی۔ دوئم اُسکی طلب سیوم سچی طلب۔ سچائی نام ہے امرواقعی کا اور یہہ کذب کا خلاف ہے اور اپنے نمونہ یا سایہ کا عین ہی ہے مثلاً زید جو فی الواقع اندہا ہے اگر کہیں کہ وہ آنکھوں والا ہے تو یہہ جھوٹھہ ہے اور جو کہیں کہ وہ اندہا ہے یہہ سچائی ہے اِسی طرح اگر زید کی تصویر کو کہیں کہ یہہ زید ہے یہہ امرواقعی نہیں ہے زید فی الحقیقت وہ شخص ہے جسکی وہ تصویر ہے۔

عقلاً و نقلاً سچائی عمدہ شے ہے اور کذب مکروہ ہے انسان کی تمیز کو اور سب زندہ تمیز شخصوں کو اور خدا کو بھی سچ پیارا ہے۔ سچائی خدا کی صفت ہے اور جھوٹھہ شیطان کی صفت ہے سچائی پر الٰہی رحمت کا سایہ رہتا ہے اور جھوٹھہ پر خدا کے غصہ کی گھٹا چھائی رہتی ہے سچائی سے دل پاک اور کذب سے ناپاک ہوتا ہے پس چاہیے کہ ہم سچ بولیں اور ہر بات میں سچا انصاف کریں اور سچے خیال اپنے ذہن میں رکھیں اور ہر بات میں سچ

طالب رہیں اور سچ کو عزت دیں اور دلوں میں محبوب رکھیں اور خود اُسمیں قایم ہوں۔

ہر کوئی مُنہہ سے تو کہتا ہے کہ سچائی خوب چیز ہے کیونکہ انسان کی تمیز ایسا کہتی ہے لیکن ہر کوئی اُسکا طالب نہیں ہے اُسے تلاش نہیں کرتا اُسکے لئے دن رات ایسا مشتاق نہیں جیسا اپنی اور غرضوں کا مشتاق ہے اسکا یہی سبب ہے کہ سچائی اُسکی نظروں میں کچھ قیمتی اور عزیز شئے نہیں ہے وہ محاورہ کے طور پر کہتا ہے کہ سچائی خوب چیز ہے ایسا آدمی سچائی کو نہ پائیگا بلکہ جھوٹھہ کے جال میں پھنسا ہوا مریگا اور وہاں جائیگا جہاں جھوٹھہ کا باپ یعنے شیطان رہتا ہے۔

چاہئے کہ سچائی کی طلب ہم میں ہو اور سچی طلب ہو جھوٹھی طلب سے سچائی ہاتہہ نہیں آتی ہے وہ جو سچائی کا طالب ہے چاہئے کہ پہلے اپنی جیب سے جھوٹھہ کو نکال کے دور پھینک دے تاکہ سچائی کا عاشق کامل ہو تب اسکا محبوب اُسے نظر آئیگا کہ کہاں ہے۔ سچائی نظر آتی ہے۔ سچی آنکھوں والے کو۔ پس چار چیزوں کو جو سچائی کے خلاف ہیں اپنے اندر سے نکال اور دو باتوں کو عمل میں لا تب تو حق کو خوب پہچانے گا۔

اول بیجا طرفداری کو چھوڑ دے۔ حق کا طرفدار ہو۔ دویم خود غرضی کو نکال کہ یہہ شیطان کی رسی ہے جو آدمیوں کو شیطان کے پاس باندہ رکھتی ہے سیوم کج بحثی کا طور چھوڑ دے کہ یہہ شیطان کا جال ہے جسمیں صدہا آدمی مگس سیرت پھنسے رہتے ہیں بات کے مغز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ مغز کو پھینک دیتے اور پوست کو چبایا کرتے ہیں چہارم غرور نکر۔ مت کہہ کہ میں بڑا عالم ہوں یا بڑا خاندانی شریف یا زیادہ بیٹکو کار ہوں یہہ سب باتیں

سچائی کے خلاف اور گمراہی کے دلدل میں غرور ایک نشہ سا ہے جو آدمی کے دماغ کو مکدر رکھتا ہے۔

اِن چار باتوں کو چھوڑ کے وہ دو باتیں جو تجھے عمل میں لانا لازم ہے یہہ ہیں اول تو اپنی روح میں خدا سے جو تیرا خالق ہے سچائی کے لئے انکشاف کا طالب ہو تاکہ تجھے غیبی مدد اوپر سے ملے۔ ثانیاً اگر تو صاحب علم ہے یا کسیقدر خواندہ شخص ہے تو تو مخالفوں اور موافقوں کی کتابوں پر متوجہ ہو۔ اور اگر تو بے علم ہے اور ناخواندہ ہے تو ان دونو قسم کے لوگوں کی باتیں بغور سُن اور جو کچھ تو خود نہ سمجھے وہ بات جس گروہ کے لوگوں کی ہے اُسی گروہ کے لوگوں سے پوچھ کہ آپ لوگ اس بات کو کیونکر سمجھتے ہیں اور دوسری جانب کے سامنے اُنکا بیان پیش کر اور سب کی سُنکے یا پڑھ کے اپنی تمیز سے آپ انصاف کر۔ اور آہستگی اور نرمی سے ایک ایک بات کو سلجھا بہت سی باتوں کا ہجوم اپنے سامنے نہ آنے دے کہ تیرا دماغ برداشت نہ کر سکے گا اور تیرے سامنے غوغا ہوگا اور غوغے میں حق پوشیدہ ہو جائیگا یا تو خود دیوانہ سا ہو کے کہے گا کہ یہہ تو سب جھگڑے ہیں میں سب سے کنارہ ہو کے یوں یوں کروں گا تب تو خود اپنی طرف سے ایک گمراہی کا نکالنے والا ہوگا۔ اگر تو ایک ایک بات کا فیصلہ آرام کے ساتھ کریگا تو چند روز میں چند صداقتیں تیرے ہاتھ میں آجائیں گی اور تیرے خیال میں عجیب روشنی کا باعث ہوں گی اور وہ جھگڑوں کا بڑا جنجال تیرے سامنے حل ہو جائیگا لیکن تجھے خوب معلوم ہو جائے کہ تجھے بوسیلہ اپنی تمیز کے غور سے انصاف کرنا ہے کیونکہ یہہ تمیز اللہ کیطرف سے ایک روشنی ہے اسی کا دوسرا نام نور فطرت ہے اور یہی پہلا ہادی انسان کے لئے خدا کیطرف سے مقرر ہے

اور اُسمیں تاریکی ہی چھا جاتی ہے انہیں چار مکروہ چیزوں کے سبب سے جنکا ذکر میںنے اوپر کیا ہے۔ جب تو لے اُن چاروں کو اپنے اندر سے نکال ڈالا ہے تو اب تیری تمیز صاف ہوگئی ہے اور سچائی کیطرف خوب مائل ہوسکتی ہے اب ہر بات کا مناسب فیصلہ تیری ہی تمیز سے ہوگا اور تو اُس فیصلہ پر باستحکام قایم ہی رہیگا کیونکہ تو سچائی کا طالب تھا۔

ہاں اگر تو اپنی جان کو فریب دیگا اور ان بدصفتوں مذکورہ بالا میں سے کوئی بدصفت چھپا کے اپنے دل میں رکھے گا اِس صورت میں تیرے فیصلہ کے درمیان اُس پوشیدہ بدصفت کی کچھ بدبو ضرور نکلے گی اور تیرا ہی دل تجھے اندر اندر الزام دیگا اور دیگر ممبران روشن ضمیر حق پسند انصاف پسند تیرے فیصلہ میں تیری اس بدصفت کا خمیر تجھے دکھلائیں گے اور تو بے ایمان ہوکے عدالت الٰہی میں سزا کا سزاوار ہوگا۔ ہزاروں آدمی ہیں جو اپکو حق کا طالب کہتے ہیں مگر کذب کو بغل میں دبائے ہوئے ناپاک بحث کیا کرتے ہیں وہ جو فی الحقیقت سچائی کے سچے طالب ہیں وہ ضرور سچائی کو پاتے ہیں۔

## دفعہ ۳۶ کامل انسان کے بیان میں

کامل انسان وہ ہے جسکی انسانیت کے سب مدارج جسمانی اور روحانی پورے پورے اور ٹھیک مناسبت میں ہوں۔ یعنے اُسکی انسانیت کے کسی حصہ میں کمی بیشی نہو۔ جب کہتے ہو کہ اس تھیلی میں پورے سو روپیہ ہیں اِسکے یہی معنے ہیں کہ سو سے نہ کچھ کم ہے نہ زیادہ مگر سو اکائیاں پوری ہیں۔ لفظ کامل کے معنے ہیں پورا۔ بے نقص۔ کامل انسان کے لفظی معنے ہیں وہ انسان جسکی انسانیت میں کچھ نقص نہیں۔

ہمارے ملک کے کج فہم لوگ جو مرشد کامل کی تلاش میں ہوتے ہیں وہ اکثر مرتاض اور کچھ پرہیزگار لوگوں کو جب اُن سے کوئی اچنبے کی بات دیکھتے ہیں کامل آدمی کہا کرتے ہیں بلکہ اپنی روح کو بھی اُنکے سپرد کر دیتے ہیں جو وہ فرماتے ہیں یہہ کرتے ہیں کیونکہ اُنھیں کامل انسان مل گیا ہے اور اُنکا پیر مرشد ہوا ہے یہہ نہایت نازک معاملہ ہے اِسمیں بڑی غلطیاں ہوتی ہیں اکثر اندھے لوگ اس اندھے مُرشد کے پیچھے چل کے اُسکے ساتھہ دوزخ کی غار میں جا گرتے ہیں پس کامل انسان کی تعریف بغور سُن سمجھ کے ناظرین کو ہوشیار ہونا چاہیے۔

محمدی لوگ کہتے ہیں کہ محمد صاحب کامل انسان تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے کامل انسان کے مفہوم پر غور نہیں کی ہے صرف شیفتگی کے سبب سے اور اس لحاظ سے کہ وہ اُنکے پیشوا ہیں اُنھوں نے حضرت کو کامل انسان کہدیا ہے۔ اب زمانہ روشنی کا ہے اور بہت کچھہ صاف صاف نظر آتا ہے اِسلئے ہم خوب دریافت کرکے کہیں گے کہ کامل انسان کون ہے۔ کامل انسان کی وہی تعریف ہے جو اِس دفعہ کی پہلی سطر میں میں نے لکھی ہے اسکو حفظ رکھنا چاہیے۔ اُسکے موافق اگر کوئی شخص نظر آوے تو اُسکو کامل انسان سمجھنا مناسب ہوگا۔

لفظ انسان پر بہت بحث ہو چکی ہے اور اُسکا مفہوم یہی ہے کہ انسان ایک چیز ہے مرکب حیوانیت اور ملکیت سے اور خاکی جسم اسکا خیمہ سا ہے پس چاہیے کہ جسمانی اعضا سب درست ہوں اور حیوانی قوتیں بھی مناسب صورت میں موجود ہوں اور صفات ملکیہ کہ روح یا نفس ناطقہ کی قوتیں یا صفتیں ہیں سب کی سب مناسب شکل میں ہوں اور یہہ کل مجموعہ بترتیب

مناسب قایم ہو کے اُس اپنی خاص نسبت یا علاقہ میں جو اُسکو اپنے خالق سے اپنی وضع میں ہے وہ شخص بیلاغ صورت میں قایم ہو وہی کامل انسان ہے

توضیح اُسکی یوں ہے کہ جسمانی اور حیوانی اور ملکی سب حصّوں کے وجودی تکملہ کے بعد یہہ بہی ضرور ہے کہ اُنہیں نسبتیں بہی مناسب ہوں نہ اُنکہ کوئی حیوانی صفت تعدی کر کے کسی ملکی صفت میں خلل انداز ہو۔ اور یہہ بہی چاہیے کہ وہ اپنے بنی نوع اور اُن سب دنیاوی خارجی اشیاء کے میاں بہی مناسب حالت میں رہے۔ پہر اپنے خالق کی نسبت بہی ٹہیک ہو۔ اور عین وقت پیدایش سے موت تک ہر حال میں یہہ کیفیت تم اُسمیں ثابت کر سکو تو وہ کامل انسان ہوگا۔

اب بتلاؤ کہ دنیا میں کون ایسا شخص کبہی ظاہر ہوا ہے کس کی تاریخ ایسی ہے کہ اُسکو ایسا شخص بدلیل بتلا سکوگے۔ صرف ہم عیسائی لوگ دلاوری کے ساتہہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح ایسا ہے کیونکہ یہہ سب مدارج مذکورہ اُسمیں ثابت ہیں پاک تحقیق سے ہمیں یہہ معلوم ہو گیا ہے کیونکہ ہمنے اُسکی تواریخ کے ہر ہر فقرے اور ہر ہر لفظ کو بغور دیکہا اور سمجہا ہے۔ اُن نکتوں اور باریکیوں کے ساتہہ جو وہاں مذکور ہیں۔

اِسلئے ہم کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کامل انسان ہے اور یہہ بیان اُسکی ماہیت اِنسانی کا ہے الوہیت کی ماہیت اُسکی جدی بات ہے اور وہ بہی پوری خدائی ہے پس وہ کامل خدا اور کامل انسان ہے۔

آدم بہی کامل اِنسان پیدا ہوا تہا اور کچہہ عرصہ تک کامل رہا پہر وہ کمال کے رتبہ سے گناہ کے سبب گر گیا اور اُسکی نسبتوں میں خلل آگیا اور خلل کے سبب سے روحانی قوتوں میں اندہیرا چہا گیا اور سارا

کارخانہ درہم برہم ہوگیا اور تمام اولاد میں بدی اور گمراہی پھیل گئی اور لعنت کے نشان ظاہر ہوگئے اور ہم سب کے سب نکمے اور ناقص ٹھہرے۔

البتہ کبھی کبھی بعض شخص دنیا میں ایسے ہی ظاہر ہوئے جنہیں خدا کی کلام میں کامل کہا گیا مثلاً (پیدایش ۶-۹) نوح اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا (اسلاطین ۱۵-۳) داؤد کا دل کامل ہوا (ایوب ۱-۸) وہ کامل اور صادق تھا۔ یہہ سب لوگ حقیقی کامل نہ تھے دیندار اور بھلے آدمی تھے اضافی اور مجازی طور پر کامل تھے اور عیسائی لوگ بھی دنیا میں ایسے ہی کامل ہوتے ہیں آخر کو وہ اور ہم سب اپنی کمال کو پہونچیں گے۔ حقیقی کامل صرف یسوع مسیح ہے وہ دنیا میں پیدا ہوکے حکمت میں اور قد میں خدا کے اور انسان کے نزدیک مقبولیت میں ترقی کرتا گیا (لوقا ۲-۵۲) وہی خدا کا اور اسرائیل کا قدوس ہے اللہ کا بے عیب برہ ہے اُسنے خدا کی مرضی پر پورا پورا ایسا عمل کیا کہ خدا کی نگاہ میں درمیان کسی دقیقہ کے بھی قصور نہ آنے دیا اُسنے آدمیوں کے حقوق بھی پورے کئے بلکہ اپنے جایز حقوق بھی چھوڑ کے آدمیوں کے لئے بیحد فضل تیار کردیا۔ اِسی لئے تمام اولیں اور آخرین کی نگاہ اُس پر ہے اولیں بہدایت الٰہی اُدہر سے اور ہم آخرین اِدہر سے اُسی کو تاکتے ہیں اور وہ سب کی نگاہ کا نشانہ ہے اور جب ہم اُسے تاکتے ہیں تو اُسکا عکس ہم پر پڑتا ہے اور ہم سدہرتے اور کامل ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ہم اپنی کمال کو پہونچیں گے اور تمام نقص ہم میں سے نکل جائینگے۔ (افسی ۴-۱۳) کامل انسان یعنے مسیح کے پورے قد کے اندازہ تک پہونچیں۔

پس وہ سب لوگ جو کامل مرشد کے طالب ہیں چاہئے کہ مسیح یسوع کو تاکیں ناقص آدمیوں کی طرف تاکنے سے کیا فایدہ ہے ناقص سے ناقص

بنتے ہیں اور کامل سے کامل ہوتے ہیں۔ وہ جو کامل خدا اور کامل انسان ہے اور اولین وآخرین کی نگاہوں کا نشانہ خدا سے مقرر ہے اور وہ اندیکھے خدا کی صورت ہے اُسکا تصور عین خدا پرستی ہے اور غیر کا تصور جو تصور شیخ کہلاتا ہے بُت پرستی ہے اور آدمی جب بُت پرستی کرتے ہیں تو خود مثل بُت کے ہو جاتے ہیں اور جب خدا پرستی کرتے ہیں تو خدا کی صورت میں بحال ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہہ صرف یسوع مسیح کی طرف تاکنے سے ہوتا ہے اور وہ تاکا جاتا ہے اپنی تواریخ میں جو کتاب انجیل میں مذکور ہے۔

## دفعہ ۳۷۔ انسان کے پیدا کرنے سے خدا کا کیا مطلب ہے

ہر شے موجود کے لئے یہہ حکیم لوگ چار علتوں یا سببوں کا ذکر کرتے ہیں

اول علت مادی ہے مثلاً تخت کے لئے علت مادی لکڑی ہے جس سے وہ بنا ہے انسان کے لئے علت مادی کیا ہے یہہ بتانا مشکل ہے کیونکہ انسانی جسم کے لئے تو ہم جلد کہہ سکتے ہیں کہ اربع عناصر اسکی علت مادی ہیں لیکن اسکی روح کا مادہ عناصر نہیں ہیں وہ کوئی عالم بالا کی شے ہے جسکی حقیقت معلوم نہیں ہے پس یہی کہنا پڑتا ہے کہ انسان کا مادہ مرکب ہے سفلیت اور عادیت سے

دوم علت صوری ہے یعنے اُس شے کی صورت مثلاً تخت کی خاص صورت جو نظر آتی ہے یہہ اُسکی علت صوری کہلاتی ہے انسان کی ہی جو صورت دیکھتے ہو یہہ اُسکی علت صوری ہے۔

سیوم علت فاعلی جس سے وہ شے بن گئی مثلاً تخت بن گیا ہے بڑھئی سے انسان کو کسنے بنایا عقل کہتی ہے کہ خدا نے بنایا تب اسکی علت فاعلی خدا ہے۔

چہارم۔ علت غائی ہے یعنے اُس شے کی وضع سے جو غرض اور مطلب ہے اسکا نام علت غائی ہے مثلاً تخت کی علت غائی یہہ ہے کہ اُسپر بیٹھیں انسان کی

پیدایش سے کیا مطلب ہے - خداتعالےٰ تو چیزوں کے پیدا کرنے میں کسی غرض
اور مطلب کا ہرگز محتاج نہیں ہے - تو بہی صاف دیکہتے ہو کہ چیزیں موجود ہیں
اور اُنکی پیدایش سے جو غرضیں ہیں وہ ان کو چسپاں ہیں بے غرضی کوئی چیز بہی
نہیں ہے - ہم نہیں کہتے کہ خدا ان چیزوں کا محتاج تہا اِسلیئے بنایا اُسنے اپنی خوشی
سے اِنسان کو پیدا کیا اور سب کچہ اُسکے فایدہ کے لئے بنایا ہے -
حجت اسمیں ہے کہ انسان کو کیوں پیدا کیا اُسکی علت غائی کیا ہے
یہہ تو ظاہر ہے کہ سب کچہ انسان کے لئے پیدا ہوا پہر انسان کس مطلب کے لئے
پیدا ہوا وہ بہت ہی بڑا اور بہاری مطلب ہوگا کرہ ارضی کی پیدائش اور
جو کچہ اُسمیں ہے ضرور انسان کے لئے ہے ہر انسان کی پیدائش جس مطلب
پر ہوگی وہ مطلب سب مطلبوں کے اوپر ہوگا جسکے لئے اتنا بڑا کارخانہ قایم
کیا گیا ہے - بہایو اُس مطلب کو دریافت کرو اور اُسمیں قایم ہو تا کہ
تمہاری پیدائش کا مطلب تم میں پایا جاوے -
محمد صاحب نے اپنی حدیث میں یہہ بتلایا ہے شاید کسی رہبان سے
اُنہوں نے سُنا ہوگا کہ (کنت کنزاً مخفیۃ فاحببتُ اَنْ اظہر فخلقتُ
الخلق) گویا خدا کہتا ہے - کہ میں پوشیدہ خزانہ تہا مینے چاہا کہ ظاہر
ہو جاؤں پس مینے جہان کو پیدا کر دیا - قران میں محمد صاحب نے کہا ہے
کہ آدم کو خدا نے اِسلئے پیدا کیا کہ اپنا خلیفہ یا نائب دنیا میں بناوے
ہمہ اوست والے کہتے ہیں کہ خود اس ساری پیدائش میں جلوہ گر ہے
تب اپنا تماشا آپ ہی دیکہ رہا ہے آپ ہی مادہ ہے آپ ہی صورت
ہے آپ ہی فاعل ہے آپ ہی غایت ہے - یہہ خیال احمق بہنگڑوں کا ہے

نہ اُسکے لئے کوئی دلیل ہے نہ حجت۔

یہہ ایسی بات ہے جیسے ایک غمزدہ شاعر نے اپنے دل کا بخار نکالنے کو کہا ہے کہ درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو۔ ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیان اور اُن عقلمندوں میں سے بھی جسکے خیال میں جو کچھ آتا ہے وہ کہتا ہے۔ لیکن نفس پرور اور ہیٹو لوگ اپنے کاموں سے ظاہر کرتے ہیں کہ گویا وہ اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کھاؤ پیو کہ کل مرینگے۔ ہماری عقل نہ تو یہہ بات مانتی ہے کہ یہہ سب خدا ہی خدا ہے اور نہ یہہ کہ ہم دکھوں کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ نہ یہہ کہ شکم پروری اور عیاشی ہماری علت غائی ہے۔ کیونکہ اتنا بڑا کارخانہ اور انسان کی یہہ عجیب پیدایش اور صورت کسی ذلیل مقصد پر تو ہرگز نہیں ہے۔

اولاً کلام اللہ کیطرف دیکھو کہ انسان کی پیدایش سے وہاں خدا کا کیا مطلب مذکور ہے (پیدایش ۱ م ۲۶) ظاہر ہے کہ آدم کو خدا نے اپنا ہمشکل اِسلئے پیدا کیا تھا کہ وہ سب چیزوں پر حاکم اور صرف خدا کا محکوم ہو کے ابد تک زندہ آرام میں رہے لیکن اسنے باختیار خود اس غرض کو برباد کر دیا اپنی صورت بھی بگاڑی اور اپنی حکومت بھی کھوئی اور خدا کا محکوم نہ رہ کے اپنے اوپر موت بھی لی کیونکہ خدا کا نافرمان بجا موت کا مستحق ہے۔

ثانیاً اُس کامل انسان یعنے یسوع مسیح کیطرف دیکھو۔ جو دنیا میں یگانہ ظاہر ہوا اور اُسکی تواریخ ثابت کرتی ہے کہ وہ بیشک نادیدہ خدا کی صورت تھا۔ اور سب چیزوں پر اُسکی حکومت بھی تھی وہ باختیار خود ہوا

اور دریا اور ارواح مردم اور شیاطین اور امراض پر اور موت وحیات وغیرہ
سب چیزوں پر حاکم تھا اور خداتعالےٰ کا ہی بے قصور محکوم اور فرمانبردار رہا۔
اسپر موت کا فتویٰ نہ تھا کیونکہ وہ بیگناہ تھا توبھی اُسنے ہمارے لئے موت کو اپنے
اوپر آنے دیا مرگیا دفن ہوا تیسرے دن مردوں میں سے جی اُٹھا اور ابد تک
زندہ ہے اور خداتعالےٰ کے عرش مجید پر تخت نشین ہے۔ اُسکے سارے
کام جو ہمارے لئے ہوئے اور اُسکی تمام تعلیم جو اُسنے ہمیں دی اور اُسکی روح
کی تاثیریں جو ہم پر ہوتی ہیں سب کچھ اسی ایک مطلب پر ہے کہ ہمیں موت میں
سے نکالے اور پاک صاف کرکے اور خدا کا ہمشکل بناکے صرف خدا کا محکوم اور
سب چیزوں پر حاکم ٹھہراوے تاکہ ہم ابد تک آرام میں زندہ رہیں اور کہ خدا
ہم میں سکونت کرے۔

پس انسان کی پیدایش سے مطلب اور مقصد اور علت غائی یہی ہے
کہ انسان ایسا ہو اور ایسے کام کرے تب وہ خدا کا نائب بجائے خویش ہوسکتا
ہے یہہ کیسی عمدہ اور اعلےٰ اور افضل غرض انسان کی پیدایش سے ہے۔ جو
ٹھیک اس عظیم دایرہ پیدایش کے مناسب۔ اور ہماری علت مادی اور صوری
اور فاعلی کے بھی موافق ہے۔ ایسی علت غائی کا اظہار کبھی کسی دانشمند
کی دانائی سے ہوا تھا ہرگز نہیں اور نہ ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی آدمی اس
علت غائی کو قبول نہ کرے اور کچھہ اور علت غائی بتاوے اُسکا بیان اس
بیان سے کچھ نیچے ہی گرا ہوا ہوگا۔ کاشکے ہرکوئی اپنی اس علت غائی سے
آگاہ ہوجائے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے یسوع مسیح کے پاس
چلا آوے کہ وہ اسکو بحال کریگا اور وہ مقصد حاصل کرادیگا۔

(ف) یہہ سچ ہے کہ خدا کسی غرض کا محتاج نہیں توبھی تمام کارخانہ پیدایش

میں ہر شے کے لئے کچھ علت غائی ہے اس سے اُسکی خدائی محتاج باغراض غیر ہو جاتی بلکہ اسکی محبت اور قدرت اور حکمت وغیرہ صفات کا اظہار اور بیان ہوتا ہے۔

(ف) وہ غرض جو انسان کی پیدائش سے ہے ہر فرد بشر میں ہرگز پوری نہوگی کیونکہ وہ جبری غرض نہیں ہے بلکہ آزادگی کے ساتھہ آدمیوں میں مطلوب ہے صرف اُنکے فایدہ کیلئے اگر آدمیوں میں سے کوئی شخص خود اُس غرض سے الگ ہونا پسند کرے تو اُسکا اختیار ہے اور اسی لئے لکھا ہے کہ بنی آدم میں سے ایک بقیہ نجات پائیگا۔

(ف۲) وہ غرض جو ہماری پیدائش سے ہم میں مطلوب ہے اور جس سے ہم سب آدمی بہت ہی دور جا پڑے ہیں جس میں آدمیوں کو بحال کرنے کے لئے یسوع مسیح خداوند دنیا میں آیا ہے۔ اسی زندگی کے درمیان عیسائیوں میں کمل نہیں ہوتی ہے ہاں ہمارے اندر بوسیلہ مسیحی ایمان کے وہ غرض کچھ جلوہ گر اور موثر ہوتی ہے اور اسکا بیعانہ سا ہم میں آجاتا ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ آیندہ جہان میں وہ غرض ہم میں خداتعالے پوری کریگا۔ تمام ایماندار اور مقدس اسی امید میں دنیا سے چلے گئے کہ ہم آیندہ وقت میں اس غرض کو حاصل کرینگے دیکھو کیا لکھا ہے (زبور ۱۷-۱۵) میں صداقت میں تیرا منہہ دیکھونگا اور جب میں تیری صورت پر ہوکے جاگونگا تو میں سیر ہونگا۔ اور اسکی مرادف کلام میں اور بہت مضمون ہیں۔

(ف) مسیح خداوند باعتبار الوہیت خدا باپ کی برابر ہے اور باعتبار انسانیت وہ خداتعالے کا پورا خلیفہ ہے اور زمین آسمان کا پورا اختیار

اُسکے ہاتھ میں ہے - ہم سب عیسائی بوسیلہ ایمان کے اُس سے اول گناہوں کی معافی حاصل کرتے ہیں پھر ہم آپکو سعہ اپنی سب خواہشوں کے اُسکا مطیع کرکے قدسیت کے رتبہ میں تدریج ترقی کرتے اور خدا کی صورت بنتے چلے جاتے ہیں اور تکمیل ہماری اُس صورت میں اُسوقت ہوگی جبکہ ہم قیامت کے فرزند ہوکے پھر نئے بدن میں مسیح سے اُٹھائے جائینگے اسوقت ہم سب اُسکی مانند ہونگے اور ہماری بحالی کامل ہوگی -

(ف) اِس مطلب کے لئے ایک خاص دن خدا سے مقرر ہے اُسی دن کا نام خدا کے فرزندونکے ظاہر ہونے کا دن ہے اُس دن وہ غرض ہم میں بوسیلہ مسیح کے پوری ہوگی اور ہم ابد تک اِس جلال میں رہیں گے - اِسوقت دنیا میں اُس غرض کی تیاری بوسیلہ مسیح کی روح کے ہم میں ہو رہی ہے اور کچھ ایسا کام ہم میں خدا سے ہو رہا ہے جس سے ہمیں یقین ہے کہ تکملہ اِس کام کا ہم میں اُس غرض کو ضرور پورا کریگا اُسوقت مسیح کے سب مخالف خوار اور رسوا ہونگے اور شیطان کے ساتھ جسکے وہ دنیا میں ساتھی تھے ابدی دُکھ میں چلے جائیں گے اور زیادہ حسرت انہیں اسبات پر ہوگی - کہ خدا کی طرف سے اُنکی بحالی کا انتظام مسیح میں ہوا اور وہ بلائے بھی گئے مگر از خود نہ آئے کہ اُنہوں نے اپنی بہتری کا موقع کھو دیا

## دفعہ ۳۸ - موت کے بیان میں

کسی حیوان کی زندگی کا جاتا رہنا موت کہلاتا ہے - انسان کے سوا سب حیوان مطلق فانی ہیں پس اُنکی موت یہہ ہے کہ اُنکی زندگی بالکل معدوم ہو جائے یعنے بدن ٹوٹ کے عناصر میں ملجائے اور جان بھی کہیں نہ رہے

بالکل نیست نابود ہو جائے۔

انسان کی موت کچھ اور چیز ہے اسلئے کہ وہ محض حیوان نہیں ہے بلکہ اُسکی حیوانیت کے اوپر کچھ اور چیز اُسمیں ہے جو غیر فانی ہے پس جہاں تک انسان میں حیوانیت ہے وہاں تک اُسکے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوتا ہے جو سب حیوانوں کے ساتھ موت میں ہوا کرتا ہے لیکن اُس چیز میں جو حیوانیت سے بلند اسمیں ہے نیستی کا معاملہ عمل میں نہیں آتا ہے صرف اخراج کا معاملہ ہوتا ہے اور اسی واسطے انسان کی موت کے لئے ایک دوسرا لفظ انتقال کا دنیا میں مروج ہوا ہے۔

کلام اللہ میں پانچ لفظ انسان کی موت کے لئے استعمال میں آئے ہیں جن سے کچھ کچھ موت کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔

(۱) بدن سے روح کا نکلنا (ایوب ۱۱-۲۰ و ۳۱ و ۳۹) اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح انسانی اُسکے مردہ بدن ہی میں تحلیل نہیں ہو جاتی مگر اُس سے الگ ہو جاتی ہے۔

(۲) روح کا انڈیلا جانا جیسے پانی ایک برتن سے دوسرے برتن میں اُنڈیلتے ہیں (یسعیا ۵۳-۱۲ زبور ۱۴۰-۸ نوحہ ۲-۱۲) اِس لفظ میں اشارہ ہے کہ روح انسانی بدن سے نکل کے کوئی اور بدن اللہ سے پاتی ہے۔

(۱ قرنتی ۱۵-۴۰)۔

(۳) چلا جانا یعنے اس جہان کو مع بدن کے چھوڑ کے کسی دوسرے جہان میں چلا جانا (زبور ۳۹-۱۳)

(۴) سو جانا یا موت کی نیند میں آ جانا۔ یا خواب وہمی میں چلا جانا (یوحنا ۱۱-۱۱ زبور ۱۳-۳ یرمیاہ ۵۱-۳۹ سے ۵۷) اور یہ الفاظ بدن کی نسبت

معلوم ہوتے ہیں کیونکہ روح کبھی نہیں سوتی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ نیند کے وقت بدن سوتا ہے روح بیدار رہتی ہے ہاں اعضاء کو کچھ حواس کے کاموں سے معطل کر کے چپ چاپ ہوجاتی ہے۔

(۵) سورج کا ڈوبنا۔ یا غروب ہونا (یرمیا ۱۵-۹) اُسکا سورج ڈوب گیا یہاں روح کو سورج کہا گیا ہے اور دنیا کا سورج جب ڈوبتا ہے تو وہ معدوم نہیں ہوجاتا لیکن زمین کی دوسری طرف چلا جاتا ہے۔

(ف) کلام اللہ سے اور عقل سے بھی موت کی دوقسمیں بلحاظ شخص مردہ کے معلوم ہوتی ہیں اول صادقوں کی موت ہے دویم بے ایمانوں کی موت ہے۔ صادقوں کی موت یہہ ہے کہ انسان ایمان میں مغفرت حاصل کر کے مرے بلعام نے بھی اِس موت کی تمنا کی تھی مگر نہ پائی۔ (گنتی ۲۳-۱۰) اِس دنیاوی زندگی کے انجام پر یہی موت انسان کے لئے فتح یابی کا پہلا دروازہ ہے۔ بے ایمانوں کی موت کیا ہے یہہ کہ آدمی اپنے گناہوں میں لپٹا ہوا بغیر ایمان اور مغفرت کے مرجائے (یوحنا ۸-۲۴) یہہ موت جہنم میں داخل ہونے کا پہلا دروازہ ہے

(ف) موت کے ظاہری اسباب پر نگاہ کر کے حکیموں نے اُسکی دوقسمیں بیان کی ہیں۔ اول موت طبعی وہ ہے کہ جسم کے نظری انتظام میں کچھ خلل آجائے یا وہ شخص اپنی پوری عمر کو پہنچ کے مرجائے جیسے درختوں کے پکے پھل گرجاتے ہیں دویم موت اختراعی وہ ہے کہ بے اجل آدمی کی موت کسی اور سبب سے آجائے مثلاً وہ دشمنوں سے یا حاکم سے قتل کیا جائے یا ڈوب مرے یا آگ میں جلجائے یا کوئی اونچا گرے صدمہ سے مرجائے۔ خیر کسی طرح مرجائے مگر بغیر اجازت اللہ کے

کوئی نہیں مرتا مسیح خداوند فرماتا ہے کہ کوئی چڑیا بھی بے اجازت اللہ کے زمین پر نہیں گرتی۔ (ف) موت کا وجود انسان کی پیدایش سے پہلے معلوم ہوتا ہے علم ترکیب ارضی سے ظاہر کرتے ہیں کہ انساں سے پہلے زمین پر حیوان رہتے تھے اور وہ مرتے بھی تھے تب موت کا وجود پہلے سے تھا لیکن آدم کو جب خدا نے پیدا کیا تو اپنی شکل پر بنایا تھا اُسکے لئے موت نہ تھی اور اُس سے کہا گیا تھا کہ اُس درخت سے نہ کھانا ورنہ تو مرے گا پس اگر وہ نہ کھاتا تو ہرگز نہ مرتا اور ہمیشہ زندہ رہتا اور اولاد بھی نہ مرتی موت اُسکے لئے امر طبعی نہ تھا جیسے حیوانات اور نباتات کے لئے امر طبعی ہے لیکن آدم نے نافرمانی کرکے اپنے اوپر موت کا تسلط ہونے دیا اور یوں موت اُسکو لاحق ہوگی اور ایسی لاحق ہوئی کہ گویا اُسکے لئے امر طبعی ہے اُسوقت تک کہ سب کچھ نیا ہو نئی زمین نیا آسمان نیا بدن ظاہر ہو۔ ابھی تمام حقیقی عیسائیوں کی روحیں ہیں اور اُنکے دلوں میں نوزادگی ظاہر ہوئی ہے تو بھی وہ سب موت کے بدن میں رہتے ہیں یعنے اُس بدن میں جس پر موت کا فتویٰ ہے اور جسکے لئے یہہ موت ایک امر طبعی ہوگیا ہے وقت چلا آتا ہے کہ ہم موت کے بدن سے بھی مخلصی پاوینگے بوسیلہ مسیح کے۔

(ف) خدا کا کلام موت کی دو قسمیں دکھلاتا ہے جسمانی موت جسکا بیان ہو چکا۔ روحانی موت جسکا یہہ بیاں ہے کہ انسان کی روح میں موت کا زہر چڑھ جائے اور اُسپر موت چھا جائے چنانچہ جسوقت آدم نے گناہ کیا تھا روحانی موت سے وہ اُسی وقت مرگیا تھا جسمانی موت ۹۳۰ برس بعد آئی تھی اور اس عرصہ میں وہ جسمانی زندہ اور روحانی مردہ رہا تھا جب تک کہ بوسیلہ مسیحی ایمان کے موت اُسکے روح پر سے نہ ہٹی وہ روحانی مردہ تھا کیونکہ فتویٰ موت کا اُسپر آگیا تھا اور نسبت الٰہی ٹوٹ گئی تھی اور خدا کی حضوری سے

نکالا گیا تھا اسلیے برکت الٰہی کی اُوس اُسپر گرنی موقوف ہوگئی تھی اور روح میں تاریکی چھاگئی تھی اور مزاج میں جسمانیت غالب آگئی تھی اور یہی روحانی موت ہے (دوم) یہ جسمانی مزاج موت ہے - یہی بڑی موت ہے اور یہہ سب آدمیوں کی روحوں میں ہے اگر یہہ موت آدمیوں کی روحوں میں سے درمیان اسی زندگی کے نکل نہ جائے تو اُن شخصوں کو ابدالاباد موت میں رہنا ہوگا جہاں خدا سے جدائی اور شیطان سے قربت ہے اور رات دن رونا اور دانت پیسنا ہے - صرف مسیح خداوند ہے جو اِس موت سے آدمیوں کی روحوں کو چھوڑاتا ہے اور بدنوں کو مرنے دیتا ہے کیونکہ نئے بدن ان لوگونکو ملنے والے ہیں۔

(ف) مسیح پر موت کا فتویٰ نہ تھا - وہ ہمارے لئے موا کہ موت کے فتوے کو کمل کرکے ہم پر سے ہٹادے دیکھو کیا لکھا ہے (یوحنا ۱۰-۱۸) کوئی شخص اُسے یعنے میری جان کو مجھسے نہیں لیتا پر میں اُسے آپ سے دیتا ہوں میرا اختیار ہے کہ اُسے دوں اور میرا اختیار ہے کہ اُسے پھر لوں یہہ حکم مینے اپنے باپ سے پایا -

مسیح خداوند جو کامل انسان اور محض بیگناہ شخص تھا اُسپر موت کا فتویٰ نہ تھا کیونکہ موت گنہگار کے لئے ہے اور وہ بیگناہ تھا اسلیے اُسکا حصہ موت میں نہ تھا اُسنے اپنی مرضی اور خوشی سے ہمارے فائدہ کے لئے اپنی جان دی اور پھر اپنی جان کو لے لیا - اگر مسیح پر بھی موت کا فتویٰ ہوتا جیسے سب آدمیوں پر ہے تو وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ نہوسکتا ہمارے قرض وہی شخص ادا کرسکتا ہے جو خود قرضدار نہیں ہے جو خود قرضدار ہے وہ اپنا قرض ادا نہیں کرسکتا ہمارے قرض کیونکر ادا کریگا پس مسیح خداوند موت کا مطلق قرضدار نہ تھا اور اسی لئے اُسنے آیت بالا میں صاف بتلایا ہے کہ میں اپنی جان پر اختیار رکھتا ہوں مروں یا نہ مروں خدا باپ کی مرضی تو یہہ ہے کہ میں اپنی جان کفارہ میں دوں مگر چونکہ مجھے اختیار دیا گیا ہے سو میں اپنے باپ کی مرضی کو اپنے اختیار سے قبول کرتا ہوں اور جان دیتا ہوں اور پھر اپنی جان کو موت کے پنجے سے نکال کے آپ لیلوں گا -

(۱ پطرس ۳-۱۸) راستباز نے ناراستوں کے لئے دکھ اُٹھایا (۱ قرنتی ۱۵-۵۴) موت کو فتح نے نگل لیا (یشعیاہ ۲۵-۸) وہ یک لخت موت کو نگل جائیگا۔ آدم کے سبب سے آدمیوں میں موت آئی ہے مسیح کے سبب سے موت دفع ہوئی اور زندگی آئی اور ساری بحالی کی صورت دکھلائی دی۔ فی الحال موت جہان میں نظر آتی ہے لیکن اُسکی جڑیں کٹ گئی ہیں اور ایک وقت چلا آتا ہے کہ یہہ موت اور غم اور رونا اور نالہ اور آہ مارنا مطلق اِس جہان سے دفع ہوجائیگا سارے بے ایمان لوگ اور یہہ سب آفتیں ہٹ جائینگی اور سب کچھ نیا اور نہایت خوب اور پُر جلال ہوگا۔

(ف) موت کی چابی مسیح یسوع خداوند کے پاس ہے (مکاشفات ۱-۱۸) میں مؤا تھا اور دیکھہ میں ابد تک زندہ ہوں آمین عالم ارواح اور موت کی کنجیاں مجھہ پاس ہیں (زبور ۶۸-۲۰) موت سے رہائی بخشنا یہوواہ خداوند ہی کا کام ہے۔ مسیح خداوند یہوواہ ہے اِسلئے موت کی چابیاں اُسکے پاس ہیں اور اِسلئے ہی کہ وہ موت پر غالب آیا اُسکا سارا زور اُسنے سہا اُسکا تمام زہر نوش کرلیا آپ کو اُسکے قبضہ میں کردیا اور اُسکی ساری کیفیت کا لطف دیکھہ کے اُسکے پنجے سے از خود نکل آیا اور قیامت اپنی آپ کرلی اور مردوں میں سے پہلوٹھا ہوکے جی اُٹھا اور خداتعالیٰ کی دہنی طرف اُسکے عرش مجید پر جا بیٹھا اب وہ سب اولین اور آخرین کو موت کے قبضہ سے نکال کے زندہ کریگا اور اُنکے بدنوں میں اُنہیں کھڑا کریگا اور اپنے سب بندوں کو اپنے ساتھہ جلال میں اور حقیقی خوشی و آرام میں لیگا اور سب شیطان کے فرزندوں کو اور اُن سب آدمیوں کو جو عیسائی ہوکے نہیں مرے تھے ابدی موت کے حوالے کردیگا کہ ہمیشہ دکھہ میں رہیں۔

## دفعہ ۳۹۔ تعلقات ارواح مومنین با خداوند یسوع مسیح

مومنین کو بوسیلہ ایمان اور برگزیدگی کے خداوند مسیح کے ساتھہ ایک خاص

علاقہ حاصل ہو جاتا ہے جسکے سبب سے وہ لوگ مسیح میں پیوند ہو کے خدا کے متبنی فرزند ہو جاتے ہیں اور الہی میراث میں شریک ہوتے ہیں اور اسی علاقہ کے سبب سے سبھی برکتیں انہیں مل جاتی ہیں اور انکی کمزوریاں اور خطائیں دفع ہوتی ہیں (گلاتی ۳-۲۷) تم سب جتنوں نے مسیح میں بپتسما پایا مسیح کو پہن لیا (افسی ۴-۲۴) اور نئی انسانیت کو جو خدا کے موافق راستبازی اور حقیقی پاکیزگی میں پیدا ہوئی ہے پہنو (قلسی ۳-۱۰) اور نئی انسانیت کو جو معرفت میں اپنے خالق کی صورت کے موافق نئی بن رہی ہے پہنا ہے (۲ قرنتی ۴-۱۱) ہم جو زندہ ہیں یسوع مسیح کی خاطر ہمیشہ موت کے حوالہ کئے جاتے ہیں تاکہ یسوع مسیح کی زندگی بھی ہمارے فانی جسم میں ظاہر ہو (افسی ۲-۲۲) تم بھی اسمیں ہو کے اوروں کے ساتھ بنائے جاتے ہو تاکہ روح کے وسیلہ سے خدا کے لئے مکان بنو (عبرانی ۱۰-۱۹ و ۲۰) جبکہ ہمنے دلیری حاصل کی ہے کہ پاک ترین مکان میں یسوع کے لہو سے داخل ہوں اُس نئی اور جیتی راہ سے جو اُسنے پردہ میں سے ہو کے یعنے اپنے جسم ہی سے ہمارے لئے نکالی ہے (۲ قرنتی ۵-۸) ہم زیادہ چاہتے ہیں کہ بدن میں سے اپنے گھر سے روانہ ہوں اور خداوند کے یہاں اپنے گھر میں جا پہونچیں اور بہت مقام کلام اللہ میں ہیں جنہیں ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں۔ حاصل کلام یہہ ہے کہ سچے مومنین کی ارواح میں درمیان اِسی دنیا کے بعلاقہ ایمان برکات ذیل نمودار ہوتی ہیں نئی پیدایش - نئی زندگی - نئی انسانیت خدا کی صورت پر بنتی چلی جاتی ہے اور دل خدا کا گھر ہوتا ہے مسیح کی موت اور زندگی کی تاثیر سے گناہ کی نسبت مردہ اور راستبازی میں زندہ ہوتے ہیں اور لایق قربت اور حضوری کے ہوتے ہیں اور یہہ سب کچھ مسیح کی روح سے اور اُسکے کفارہ کی تاثیر سے انہیں ہوتا ہے -

(ف) اسمیں کچھ شک شبہہ نہیں ہے کہ ضرور ایسا ہوتا ہے تواریخ کلیسیا سے ظاہر ہے کہ ہزار ہا ہزار آدمیوں کی روحوں میں ایسی تاثیریں ہوئی ہیں اور ہر زمانہ میں

خاص بندگان مسیح خدا کے گواہ ایسی تاثیروں سے بھرپور پائے جاتے ہیں اب بھی موجود ہیں اور آئندہ کو بھی ملیں گے اگر کوئی چاہے کہ ایسے لوگوں کو دیکھے تو حقیقی عیسائیوں کے ساتھ رفاقت اور دوستی پیدا کر کے وہ دریافت کر سکتا ہے کہ ایسی تاثیریں مسیح سے اُسکے مومنین کی ارواح میں فی الحقیقت موجود ہیں اور وہ کچھ بات نہیں ہے جو لعض مخالف بیٹھے ہوئے تعصب کی راہ سے حق کے خلاف ایسی تاثیروں کا انکار کرتے ہیں ہمیں ایسے آدمی کلیسیا میں کہیں کہیں صاف نظر آتے ہیں اور ہم اپنے اندر بھی ایسی پاک تاثیریں مسیح کیطرف سے دیکھتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ کلام اللہ کا بیان حق ہے۔

یہ سب پاک تاثیریں اور تبدیلیاں جو مسیح سے مومنین میں ہوئی ہیں یہ سب مسیح کی روح ہی ہیں جو اُنمیں موثر ہے۔ اور جب کہ یہ بات ثابت ہے کہ مسیح کی روح نے اُنمیں موثر ہو کے اُنہیں کیا سے کیا کچھ کر دیا تو ہم کیونکر قبول نہ کریں کہ آئندہ کو اسی کی روح سے اُنمیں کیا کچھ نہ ہوگا۔ جس روح سے ہماری روحوں میں فی الحال زندگی آئی ہے اُسی روح سے ہمارے بدنوں کی قیامت بھی جلال کے لئے ہوگی (رومی ۸-۱۱) اگر اُسکی روح جسنے مسیح کو مردوں میں سے جلایا تم میں بستی ہے تو مسیح کا جلانیوالا تمہارے مردہ بدن کو بھی اپنی اُس روح کے وسیلہ سے جو تم میں بستی ہے جلائے گا۔ (اقرنتی ۱۵-۵۲) ایک دم میں ایک پل میں پچھلا نرسنگا پھونکتے وقت (اتسلونیقی ۴-۱۶) جو مسیح میں ہو کے موئے ہیں وہ پہلے جی اُٹھینگے (فلپی ۳-۲۱) اپنی قدرت کی تاثیر سے ہمارے خاکی بدن کو اپنے جلالی جسم کی مانند بنائیگا۔ (ا یوحنا ۳-۲) ہم اُسکی مانند ہوں گے اور اُسکا جلال دیکھیں گے (یوحنا ۱۷-۲۴) جہاں مسیح ہے وہاں ہونگے اور اُسکا جلال دیکھیں گے۔ (ف) اگر تمنے اس دنیا میں عیسائی ہو کے مسیح کی روح پائی ہے اور وہ روح تم میں اب موثر ہے اور تمہیں وہ روح خدا کی رفاقت کا لطف ... تو یقین ... اسی روح سے تمہارے بدنوں کی قیامت ہو

جلال کے لئے ہوگی اور اگر روح نہیں پائی تو قیامت تو ہوگی مگر رسوائی اور ذلت اور
ابدی دکھ کے لئے -
اگرچہ بعد موت روح اور بدن میں جدائی ہو جاتی ہے روح بدن سے نکل کے یا ابراہام
کے پاس یا شیطان کے فرزندوں کے جھنڈ میں چلے جاتے ہیں اور بدن خاک میں مل جاتا ہے
توبھی کلام اللہ کے بعض مقاموں سے ثابت ہے کہ روحوں کو اپنے بدنوں سے ایک خاص
علاقہ باقی رہتا ہے اور آخر کو روح اپنے ہی بدن میں آئے گی ہاں ایماندار کا بدن جلال
میں اور بے ایمان کا بدن ذلت میں اُٹھے گا تو بھی وہی بدن ہو گا اور وہی صورت
اُس شخص کی ہوگی جو پہلے تھی جلال میں صورت سابقہ نمایاں ہوگی اور ذلت میں بھی
وہی پہلی صورت دکھلائی دے گی جس سے وہ پہچانا جائیگا کہ فلاں شخص ہے پس
جسم اور روح کے علاقہ کو موت معدوم نہیں کرتی ہے - (ایوب ۱۹-۲۷) میری یہی آنکھیں
اُسے دیکھیں گی نہ بیگانہ (۲ سلاطین ۱۳-۲۱) دیکھو کیا لکھا ہے کہ جب وہ مردہ الیشاع
نبی کی قبر میں گرایا گیا - اور الیشاع کی ہڈیوں سے لگا تو وہ جی اُٹھا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا -
الیشاع کی روح کو اُسکی مدفون ہڈیوں کے ساتھ علاقہ تھا تب ہی تو یہ ہوا کہ غیر مردہ اُس
سے محسوس ہو کے جی اُٹھا (۱ سلاطین ۱۷-۲۱) اُس لڑکے کی جان اُسمیں پھر آوے (یشعیا
۲۶-۱۹) اُنکی لاشوں پر جو مجھ سے باغی ہوئے نظر کرینگے (یوحنا ۶-۴۰) میں اُسے آخری
دن میں اُٹھاونگا (متی ۲۷-۵۲) قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی جو
آرام میں تھیں - بدن اور روح کے درمیان جو اضافی علاقہ ہے اسکا ذکر بہت آیتوں میں ہے

## دفعہ ۴۱ - انسانی روح کے لباس کے بیان میں

جبکہ سچے ایماندار عیسائی کی روح اُسکے بدن سے نکل جاتی ہے تو خدا تعالے
اُسکو اَور ایک بدن دیتا ہے اور وہ بدن جسمانی نہیں ہے بلکہ نورانی ہے اور ایک
لباس بھی روح کو عنایت ہوتا ہے جس سے اُسکی برہنگی پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ

روح اُس لباس میں خوبصورت نظر آتی ہے (۲ قرنتی ۵-۳) ہم حقیقتاً ملبس ہونگے
نہ کہ ننگے پائے جائیں گے (۱ قرنتی ۱۵-۴۰) آسمانی جسم بھی ہیں اور خاکی بھی ہیں۔
آسمانیوں کا جلال اَور ہے اور خاکیوں کا اَور ہے (آیت ۵۳) یہہ فانی بقا کو اور غیر
فانی کو پہنے گا (آیت ۵۱) سب مبدل ہو جائینگے (۲ قرنتی ۵-۱) ایک عمارت خدا سے
پائینگے - یہہ روح کے بدن کا ذکر ہے (رومی ۷-۲۴) موت کا بدن چھوٹ جائیگا
(۱ قرنتی ۱۵-۴۸) جیسا آسمانی ویسے وہ بھی جو آسمانی ہیں (۱ پطرس ۳-۱۹) جیسے
ہو کے (یعنے روحانی بدن میں ہو کے) اُسنے اُن روحوں کے پاس جو قید تہیں
جا کے منادی کی۔

پہر لکھا ہے کہ وہ جلال میں ظاہر ہوئے یعنے موسے اور الیاس (لوقا ۹-۳۱) پوشاک
سفید ہے (لوقا ۲۴-۴ مکاشفات ۳-۴ و ۱۸) خداوند مسیح کی صورت جب تبدیل ہو گئی
تھی تو اُسکا چہرہ آفتاب سا چمکتا تہا اور اُسکی پوشاک نور کی مانند سفید ہو گئی تہی۔
(متی ۱۷-۳) سموئیل نبی جب بلایا گیا تو وہ اپنی پورانی وضع کے لباس میں آیا تہا
تا کہ ساؤل سے پہچانا جائے (۱ سموئیل ۲۸-۱۴) مسیح کی راستبازی تمام
مومنین سلف وخلف کی روحوں کا خوبصورت لباس ہے اور یہی شادی کا لباس
ہے جو بادشاہ کیطرف سے ہمیں بخشا جاتا ہے - چاہئے کہ اِسی دنیا میں ہم اس لباس
کو روحوں میں پہنیں اور اِس لباس کی حفاظت کریں - یہہ لباس اب بھی خوشنما
ہے اور آئندہ کو اُسکا جلال خوب ظاہر ہو گا - فقط

تمت